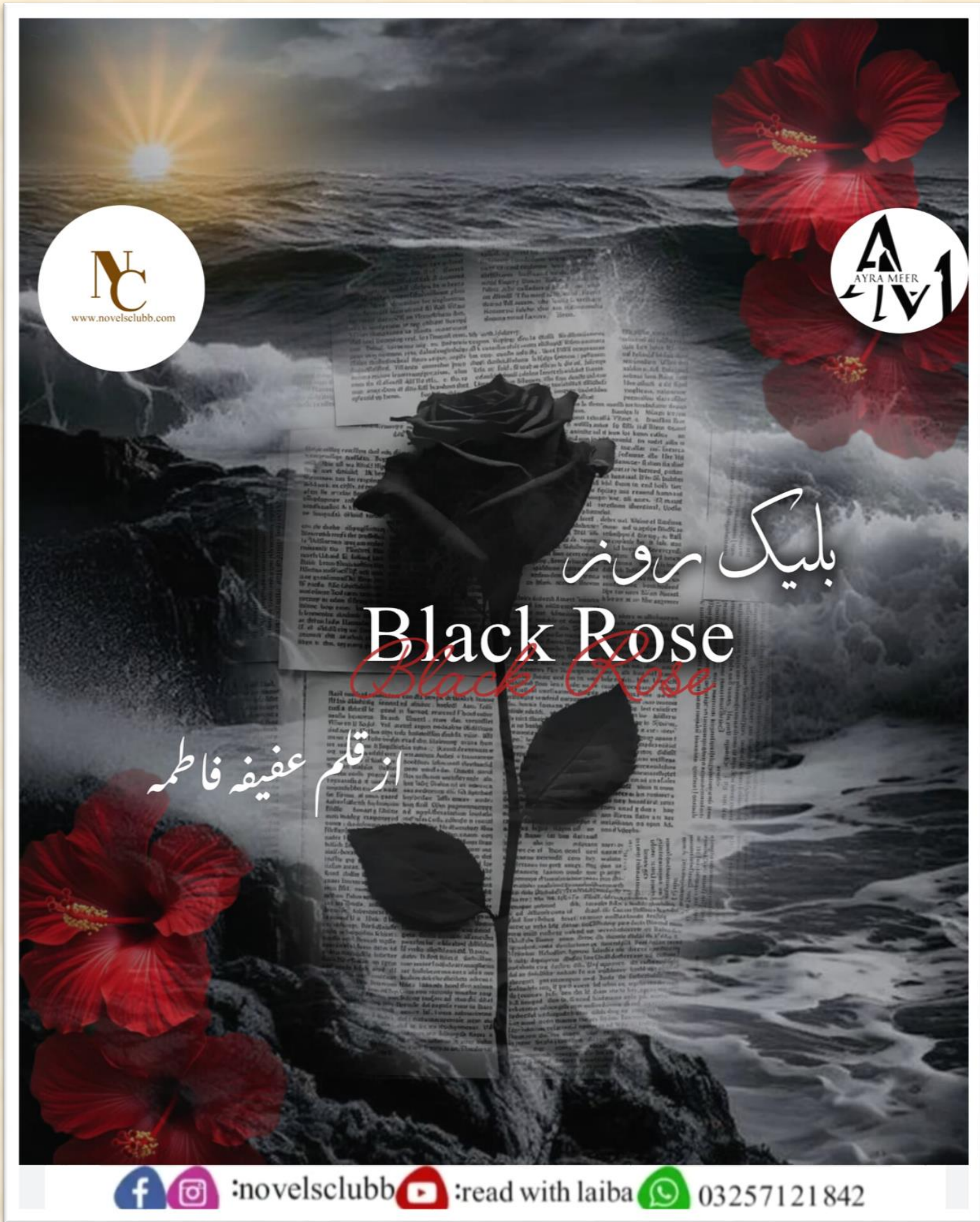
www.novelsclubb.com
AYRA MEER
بلیک روز
Black Rose
Black Rose
از قلم عفیفہ فاطمہ
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

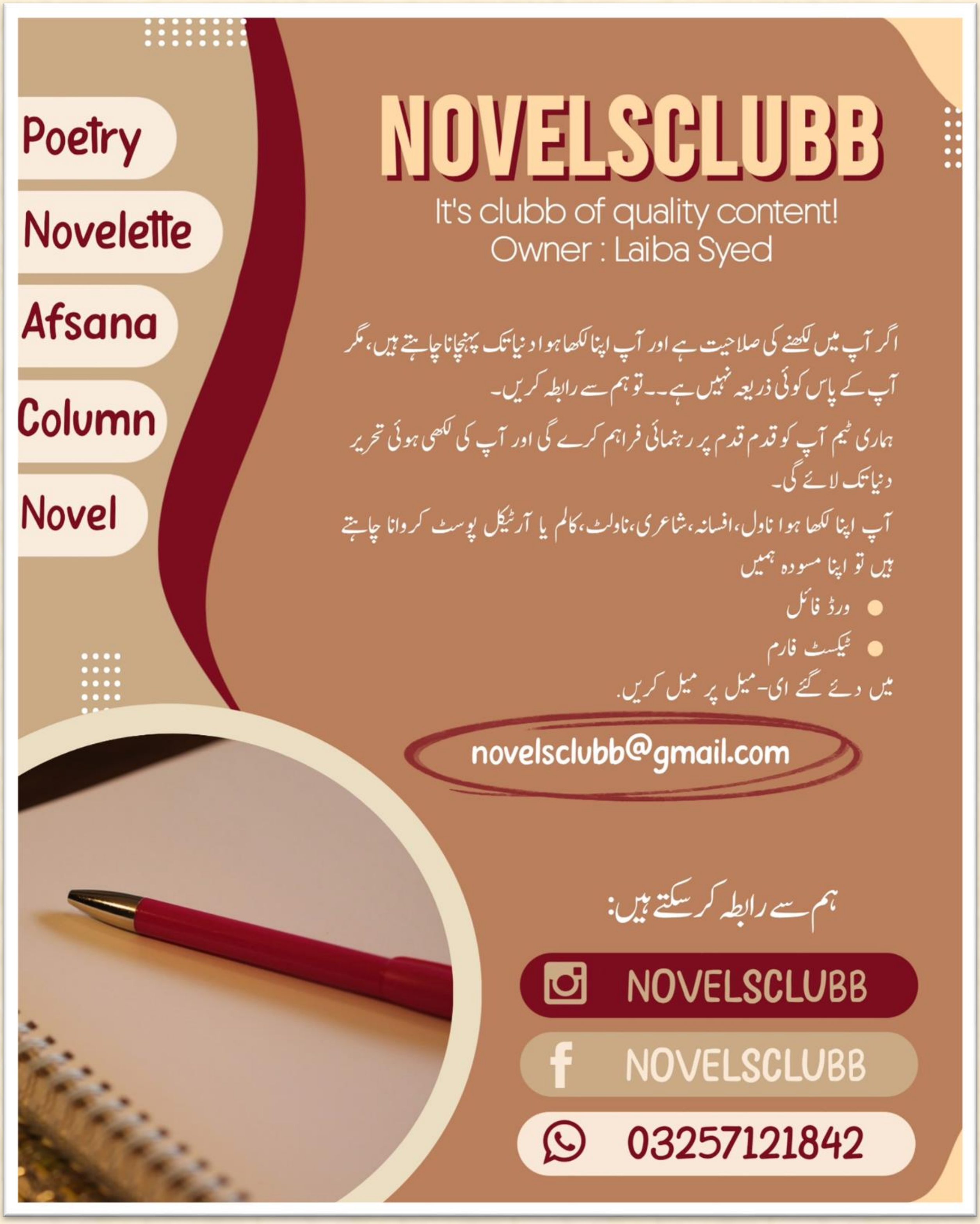
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

ہلفیتی (بلیک روز)

از قلم

عفیفہ فاطمہ

Clubb of Quality Content

ناول "بلیک روز" کے تمام جملہ حق لکھاری "عفیفہ فاطمہ" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

ناول: ہلفیتی

قسط نمبر: 5

باب نمبر: 4

عشق وانکشاف

تاروں سے بھرے آسمان کا منظر دیکھا ہے کبھی؟ کتنا خوبصورت ہوتا ہے نا یہ تاروں سے بھرا آسمان۔ یوں لگتا ہے آسمان پر جگہ جگہ دیے روشن کر دیے ہوں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تارے ٹمٹماتے، جھملاتے کسی کی خوشی میں روشنیاں پھیلا رہے ہوں۔ ایسے ہی ایک تاروں بھری رات کا منظر ہے جب وہ تنہا گاڑی کے بونٹ کے سامنے کھڑی آسمان کو تک رہی تھی۔ سامنے دکانوں سے آتی روشنی میں اس کا سراپا واضح ہو رہا تھا۔ لمبی سی سیاہ آنکھوں والی وہ لڑکی کچھ اداس سی لگتی تھی۔ نگاہیں آسمان پر جمائے وہ کسی گہری سوچ میں مبتلا لگتی تھی۔

"ممی یہ تارے رات میں کیوں نکلتے ہیں دن میں کیوں نہیں؟" کسی بچے کی معصوم سی آواز پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ لال پھولے گالوں والا عفان بالکنی کی ریلنگ پر دونوں بازو رکھے ان پر سر ٹکائے اس سے سوال کر رہا تھا۔

"یہ تارے رات میں اس لیے نکلتے ہیں تاکہ اس پوری دنیا کو اندھیرے میں بھی روشن رکھ سکیں۔" عروہ نے اسے اس کی عمر کے حساب سے سمجھانا چاہا۔

"اگر یہ تارے نہ نکلتے تو آسمان کتنا خوف ناک لگتا نہ؟ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا۔ عروہ کے کہنے پر عفان کی آنکھیں خوف سے پھیلی تھیں۔

"مجھے تو اندھیرے سے بہت ڈر لگتا ہے ممی۔ پھر تو مجھے آسمان سے بھی بہت ڈر لگتا نا۔ شکر ہے اللہ میاں نے اتنے سارے تارے بنا دیے۔" آخری بات پر اس کے لبوں پر معصوم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ عروہ بھی مسکرا دی۔

"ہاں اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اتنے پیارے پیارے تارے آسمان پر چمکا دیے تاکہ میرے بیٹے کو کبھی ڈر نہ لگے۔" عروہ نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور پھر دونوں اس تاروں بھرے آسمان کو دیکھنے لگے۔ محبت سے، عقیدت سے۔ یہ ان دونوں کا معمول تھا۔

جب تک میکال گھر نہیں آجاتا تھا وہ دونوں ماں، بیٹے یوں ہی آسمان کو تکتے ڈھیروں باتیں کیا کرتے تھے۔

آج اس تاروں بھرے آسمان کو دیکھتے ہوئے اس کے ذہن میں عفان کے کہے گئے جملے گونج رہے تھے۔

"مجھے اندھیرے سے بہت ڈر لگتا ہے ممی۔" یہ جملہ تو جیسے اس کے ذہن کے پردے پر چپک کر رہ گیا تھا۔

"عفان "لبوں سے بے آواز سی پکار بر آمد ہوئی۔ ماتھے پر پسینہ اور دل کی تیز رفتار۔ اسے ایک بار پھر پینیک اٹیک آرہا تھا۔

"اندھیرے سے بہت ڈر لگتا ہے ممی۔" آواز ایک بار پھر گونجی۔ اس کی آنکھوں میں نمی جمع ہونے لگی۔ ہاتھوں نے مٹھی کی صورت لبوں تک کا سفر کیا تاکہ حلق سے نکلتی سسکی کو روکا جاسکے۔

"ممی یہ تارے رات میں ہی کیوں نکلتے ہیں دن میں کیوں نہیں نکلتے ؟" اسے اپنے بائیں جانب سے کوئی معصوم سی آواز سنائی دی۔ یوں لگا جیسے اس کا عفان اس سے مخاطب ہوا ہو۔ اس نے فوراً گردن پھیر کر اس طرف دیکھنا چاہا۔ کوئی بچہ اپنی ماں کا ہاتھ پکڑے سڑک کراس کرتے ہوئے اس سے سوال کر رہا تھا۔

عروہ کی طرف اس بچے کی ماں تھی جس وجہ سے وہ اس بچے کی شکل نہیں دیکھ سکی۔ اسے لگا جیسے اس کا عفان اس عورت کے پاس ہے۔ ایسے سوال تو اس کا بیٹا کرتا تھا۔

"عفان" وہ زیرِ لب بڑبڑاتی گردن اٹھا کر اسے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر اب وہ بچہ اس سے دور جاتا جا رہا تھا۔ اس کا دل عجیب سی کیفیات کا شکار ہونے لگا۔ وہ اپنی سیاہ نم آنکھوں سے اس بچے کو دیکھنے کی کوشش کرتی اسی کے پیچھے چل پڑی۔ حالت ایسی تھی کہ جیسے کوئی نیم دیوانی ہو۔

وہ ماں اور بچہ آدھی سے زیادہ سڑک کراس کر چکے تھے۔ عروہ بنا چلتی سڑک کی پرواہ کیے ان کے پیچھے قدم بڑھاتی گئی۔ ابھی آدھی سڑک بھی پار نہ ہوئی تھی کہ کسی نے بازو سے پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ تبھی ایک ٹرک پوری تیزی کے ساتھ وہاں سے گزرا۔ میکال کی آنکھوں میں خوف واضح دکھائی دے رہا تھا۔ کیا ہوتا اگر وہ وقت پر ادھر نہ پہنچ پاتا؟ مگر عروہ ہر چیز سے بے خبر اپنے آپ کو اس کے بازوؤں سے چھڑوانے کی کوشش میں لگی تھی۔

"عفان، چھوڑیں مجھے، میرا عفان ہے ادھر، مجھے جانا ہے۔ وہ مجھ سے سوال کر رہا تھا۔ چھوڑیں مجھے۔" عروہ پر ہزیانی کیفیت طاری تھی۔ ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔

"عروہ ہوش میں آؤ۔ عفان وہاں نہیں ہے۔ عفان اب کہیں نہیں ہے۔ بھول جاؤ اسے۔" میکال نے اسے دونوں بازوؤں سے جھنجوڑ کر جیسے ہوش دلانا چاہا۔

"پر وہ وہاں۔۔۔۔" اس نے گردن موڑ کر سڑک کے اس پار دیکھا۔ وہاں اب بس اکا دکا گاڑیاں تھیں۔ کسی بچے کا وجود تک نہ تھا۔

"وہ وہاں تھا میکال۔ میں نے، میں نے دیکھا تھا وہ وہاں تھا۔ وہ سوال کر رہا تھا۔" عروہ نے اسے یقین دلانا چاہا۔

"عفان اب کہیں نہیں ہے۔ وہ چلا گیا ہے۔ ہم سے بہت دور۔" میکال نے اسے خود سے لگاتے ہوئے سمجھانے کی ایک مبہم سی کوشش کی۔

"وہ کیوں چلا گیا؟ کیوں کیا اس شخص نے ایسا؟ عفان کو اندھیرے سے بہت ڈر لگتا تھا۔ وہ قبر کے اندھیرے میں کیسے رہتا ہو گا میکال؟" عروہ کی اس بات پر میکال نے آنکھیں میچی تھیں۔ تھوڑی اس کے سر پر ٹکالی۔ اسے لگا اسے سانس لینے میں دکت ہو رہی ہے۔ عروہ ابھی بھی کچھ کہہ رہی تھی اور وہ خاموشی سے کھڑا اسے سنتا رہا۔ بازوؤں کے حصار میں حفاظت تھی، ہمدردی تھی اور عروہ کو اس وقت بس یہی چاہیے تھی۔

کافی دیر آنسو بہاتے رہنے کے بعد بلآخر جب آنسو بہنا رک گئے تو وہ آنکھیں مسلتی اسے دیکھنے لگی جس کے دل میں اس کیلیئے بے پناہ محبت اور ہمدردی تھی۔

"ایم سوری۔ بہت پریشان کرتی ہوں نا آپ کو۔" عروہ نے ذرا سنبھلتے ہوئے کہا آواز ابھی بھی لڑکھڑا رہی تھی۔ میکال ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلا گیا۔

"چلو تم گاڑی میں بیٹھو میں دوبارہ آئسکریم لے کر آیا۔" میکال نے تھوڑی ہی دور گری آئسکریم کو افسوس سے دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر مسکرا دیا۔

"آجاؤ۔" اتنا کہہ کر وہ اسے کندھوں سے تھامے آگے بڑھنے لگا تھا جب اس کی نظر عروہ کے پاؤں پر گئی۔ اس کے پیر جوتوں سے آزاد تھے۔

"تمہارا ایک جوتا کدھر گیا؟" میکال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جوتا۔۔۔ وہ تو شاید وہاں کہیں گر گیا ہے۔" عروہ نے سڑک کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم گاڑی میں بیٹھو میں دیکھتا ہوں کہاں ہیں۔ وہ اسے گاڑی میں بیٹھا کر خود سڑک پر اس کے جوتے ڈھونڈنے لگا۔ پانچ منٹ کی کوشش کے بعد بلآخر اسے اس کا گمشدہ جوتا مل ہی گیا۔ وہ اسے اٹھا کر لایا اور عروہ کے سامنے گاڑی میں رکھا جسے اس نے پہن لیا۔

میں آئسکریم لاتا ہوں۔ اس نے گاڑی سے سینیٹائیزر اٹھا کر ہاتھوں پر لگاتے ہوئے کہا اور پھر شاپ کی طرف بڑھ گیا۔ آسمان پر چمکتے تارے میکال کی اس محبت و احساس پر گاڑی میں بیٹھی

اس افسردہ سی لڑکی کو رشک سے دیکھنے لگے۔اور وہ نم آنکھوں سے اس سیاہ آسمان پر اپنے عفان کی مسکراہٹ ڈھونڈنے لگی۔

oooooooooooooooo

جاری ہے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ناول:۔ہلفیتی

قسط نمبر:۔24

اس وقت پورے سکول کو سیل کر دیا گیا تھا۔پولیس کی گاڑیاں سکول کے سامنے کھڑی نظر آ رہی تھیں۔

جب پرنسپل کافی دیر کے گئے واپس نہ لوٹے تو ایک ٹیچر انہیں بلانے ان کے روم میں گئے۔ مگر وہاں صرف پرنسپل کی لاش پڑی ملی۔ایک ہلچل سی ہر جگہ مچ گئی تھی۔تابش نے کال کر کے باقی پولیس اہلکاروں کو بلالیا۔پورے سکول کا معائنہ کر لیا گیا مگر ہر بار کی طرح سوائے ایک چاقو کے کچھ بھی نہ مل سکا۔سپورٹ گالا بیچ میں ہی روک دیا گیا۔ہر طرف دہشت سی پھیل گئی تھی۔پولیس آئی۔انکوائری کی گئی۔اور اس کے بعد تمام بچے اپنے والدین کے ساتھ گھروں کو لوٹ گئے تھے۔اگر کوئی بیٹھا تھا تو صرف صلہ،عالیان اور میرب۔

وہ لوگ پورے تین گھنٹے وہاں گراؤنڈ میں سمریز کا انتظار کرتے رہے۔ان سب ہی کے چہرے پر پریشانی کے آثار واضح تھے۔ایک تو پرنسپل کا قتل اور پھر سمریز کا غائب ہو جانا۔دل میں عجیب خدشات جنم لے رہے تھے۔سمریز کو بے تحاشہ کالز کی گئیں مگر جواب ندارد۔

"بھابھی آپ اور عالیان کو ہم گھر چھوڑ دیتے ہیں۔باقی میں سر کو ڈھونڈتا ہوں۔آپ فکر مت کریں وہ جلد ہی گھر آجائیں گے۔"تابش نے جب صلہ اور عالیان کو پریشان سا بیٹھا دیکھا تو انہیں گھر چھوڑنے کی آفر کی۔

"مگر سمریز کہاں جاسکتا ہے۔ وہ کوئی کال بھی اٹینڈ نہیں کر رہا۔ مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔"
صلہ نے اپنی پریشانی بتائی تو تابش اور میرب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ دن کی شروعات کتنی خوبصورت ہوئی تھی اور اختتام اتنا ہی اداس۔

oooooooooooooooooo

میرب اور تابش صلہ اور عالیان کو ان کی بلڈنگ کے سامنے ڈراپ کر کے اپنے گھر کی طرف بڑھ گئے۔ صلہ عالیان کا ہاتھ پکڑے فلیٹ کی طرف بڑھی۔ اوپر پہنچ کر اس نے چابی سے دروازے کا لاک کھولا کر اندر قدم رکھا ہی تھا کہ وہ ٹھٹک کر رک گئی۔
"میں تو سب لائٹس بند کر کے گئی تھی نا تو پھر یہ لائٹ کیسے چل گئی۔ کیا پتا اسے بند کرنا بھول گئی ہوں؟" اس نے دل میں سوچا اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ عالیان کا ہاتھ تھامے اندر آئی۔ عالیان نے لاؤنج میں پہنچتے ہی ٹی وی آن کر کے صوفے پر بیٹھ کارٹون دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔
صلہ لائٹ کی سوچوں میں گم ڈرتے ڈرتے قدم اٹھاتی بیڈروم کی طرف بڑھی۔ کیونکہ اس وقت بیڈروم کا دروازہ بھی کھلا تھا جبکہ وہ اسے لاک کر کے گئی تھی۔ وہ ابھی جس جگہ سے آئی تھی وہاں ایک قتل ہوا تھا۔ یہ ڈر فطری تھا۔ اس نے بیڈروم کا دروازہ کھولا اور لائٹ آن کی۔

ایک سیکنڈ کیلیئے اس کا سانس اٹکا مگر پھر اگلے لمحے وہ سکون کا سانس بھر گئی کیونکہ وہاں اور کوئی نہیں بلکہ وہی شخص تھا جس کا وہ لوگ تین گھنٹے انتظار کرتے رہے تھے۔

صلہ ان چند لمحوں میں ڈھیروں احساسات سے گزری تھی۔شاک، سکون، غصہ،اور پھر آنسو۔ہاں ڈھیر سارے آنسو اس کی آنکھوں سے رواں ہوئے تھے۔اس نے تین گھنٹے کتنی ازیت میں اسے کالز کرتے گزارے تھے اور وہ یہاں سکون کی نیند سونے میں مصروف تھا۔ اتنا بے حس تو نہیں تھا وہ مگر پھر بھی صلہ کو لگا اس سے زیادہ بے حس اس وقت اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔وہ اسے وہیں سوتا چھوڑ خود باہر عالیان کے پاس آگئی۔آنکھوں کی برسات کبھی تھم جاتی تو کبھی دوبارہ اس کی بے حسی یاد کر کے جاری ہونے لگتی۔آج کی رات یوں ہی بیتنی تھی۔

oooooooooooooo

صلہ نے صبح سے ایک بار بھی سمریز کو مخاطب نہیں کیا تھا۔وہ دونوں خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف جانے کی تیاری کر رہے تھے۔پورے فلیٹ میں اگر کوئی واحد آواز تھی تو وہ عالیان کی تھی جو وقفے وقفے سے کوئی نا کوئی بات یاد آنے پر ان دونوں کو مخاطب کرتا تھا۔

ہمیشہ صلہ ہی سمریز کو مخاطب کیے کوئی نا کوئی بات کرتی رہتی تھی۔ بھلے ہی وہ خود اس سے کوئی بات نا کرے مگر اس کی بات پر ہمیشہ جواب ضرور دیتا تھا۔ آج صلہ کی خاموشی اسے کافی چبھ رہی تھی۔ کافی دیر کے انتظار کے بعد بھی جب صلہ کچھ نا بولی تو وہ خود اسے پکار بیٹھا۔

"صلہ۔" سمریز نے صلہ کو دیکھتے ہوئے پکارا جو اس وقت عالیان کا سکول بیگ تیار کرنے میں مصروف تھی۔ سمریز کی پکار پر وہ چونکی تھی مگر پھر بنا کسی ردعمل کے عالیان کے بیگ میں اس کی کتابیں ڈالتی رہی۔

"صلہ میں نے تمہیں بلایا ہے۔" سمریز نے ایک بار پھر اسے بلایا۔

"جی۔" صلہ بس اتنا ہی بولی۔

خاموش کیوں ہو صبح سے؟ سوال کیا گیا مگر جواب ندارد۔

"آخر ہوا کیا ہے صلہ؟ صبح سے یوں مجھے نظرانداز کیوں کر رہی ہو؟" اس کے لہجے میں الجھن واضح تھی۔ بھلا اس نے کیا ہی کیا تھا کہ وہ اسے نظرانداز کرے۔

"میں نظرانداز کر رہی ہوں ہاں۔ اور جو کل تم نے کیا وہ سب کیا تھا؟ نظرانداز تو بہت چھوٹا سا لفظ ہے۔ تم تو ہمیں بنا بتائے بنا ساتھ لیے گھر واپس چلے آئے تھے۔ جانتے بھی ہو کتنی کالز کی

تھیں ہم نے تمہیں۔ کتنا انتظار کیا تھا مگر تم۔" اس کی سسکی بندھی تھی۔ اس بار دل بہت زور سے دکھا تھا۔ البتہ سمریز بنا کسی تاثر کے خاموش بیٹھا رہا۔

"تمہیں تو اتنا سا بھی احساس نہیں ہے نا۔ جانتے ہو مجھے کتنی انسلٹ فیل ہوئی تھی تابش بھائی اور میرب کے سامنے۔ جب میں نے انھیں کال کر کے بتایا کہ تم تو پہلے سے ہی گھر پر موجود تھے۔" چہرے پر تاثر تو کوئی نہیں تھا مگر ذہن میں بہت کچھ دوڑ رہا تھا۔ اس کا دماغ کل کی یادوں کے تانے بانے جوڑنے میں لگا تھا۔ البتہ صلہ نے گیلی سانس اندر کھینچ کر آنسوؤں کو باہر آنے سے روکا۔

"چلو عالیان بیگ ریڈی ہے۔ آجاؤ۔" وہ عالیان سے کہتی باہر کی طرف بڑھی گئی۔ پیچھے کھانے کی میز پر بیٹھے سمریز نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس اندر کو کھینچا۔ سر میں عجیب سا درد اٹھنے لگا تھا۔

oooooooooooooooooooo

"سر کل جو فراز شیخ کا قتل ہوا ہے۔ وہ بھی اسی شخص کا یا اسی گروہ کا کام ہے۔ ہر چیز ویسے ہی ہے کوئی ثبوت نہیں چھوڑا گیا کچھ بھی نہیں۔ پورا اسکول چھان مارا ہے مگر کوئی نام و نشان تک معلوم نہیں ہو سکا۔" تابش اس وقت صائم احمد اور سمریز کو تفصیلات سے آگاہ کر رہا تھا۔

"اور سر ایک اور بات۔ پچھلی بار جو ہم نے پوائنٹ ڈھونڈا تھا کہ ان سب کا تعلق کہیں نا کہیں سوشل ورکنگ سے جڑا ہے۔ تو سر یہ پوائنٹ اس کیس میں بھی کامن ہے۔ فراز شیخ بھی ایک جانے مانے سوشل ورکر رہے ہیں مگر ان کی سوشل ورک لائف میں ایسی کوئی دشمنی وغیرہ نظر نہیں آ رہی کہ کوئی ان کی زندگی ہی ختم کر دے۔" تابش نے مزید تفصیلات سے آگاہ کیا۔

"پر کیا معلوم یہ قتل سوشل ورک سے جڑے ہوئے بھی ہیں کہ یہ صرف ایک اتفاق ہے۔" صائم نے اپنی رائے پیش کی اور سمریز کی طرف دیکھا۔

"سر آپ کیا کہتے ہیں؟" سمریز غائب دماغ بیٹھا تھا۔ صائم کے بلانے پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔

"سر؟" اب کی بار تابش نے اسے ہلکے سے پکارا۔

"اب بھی کوئی جواب نہیں۔ صائم اور تابش نے پریشانی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر تابش نے ذرا آگے کو ہو کر اسے بازو سے ہلا کر پکارا۔

"سر آپ ٹھیک ہیں؟" اب کی بار وہ جیسے ہوش کی دنیا میں واپس آیا تھا۔

"ہاں کیا ہوا؟" اس نے انہیں الجھی نگاہوں سے تکتے ہوئے پوچھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے پچھلی کوئی بات بھی سنی نہ ہو۔

"سر ہم کیس کی بات کر رہے تھے نا۔ آپ ٹھیک تو ہیں؟" تابش نے پریشانی سے استفسار کیا۔

"ہاں میں، میں ٹھیک ہوں۔" وہ دو انگلیوں سے کنپٹی سہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیا بات کر رہے تھے؟ سوری میں، میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔" سمریز کے کہنے پر تابش پریشان نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا البتہ صائم اب کہ اسے دوبارہ تفصیل بتانے لگا تھا۔

"اور سی سی ٹی وی فوٹیج۔ اس کا کیا کچھ ملا وہاں سے یا ہمیشہ کی طرح وہ بھی خالی ہے؟" صائم سے پوری بات سننے کے بعد اس نے پوچھا تو تابش اور صائم دونوں نے ہی نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ بھی نہیں ملا سر۔ ہر چیز خالی ہے۔ بالکل کورا سفید کاغذ ہے یہ کیس۔" تابش نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اس کی بات پر سمریز نے پریشانی سے ماتھا کھجایا۔ کیا تھا یہ کیس؟ آخر کوئی سرا کب ہاتھ لگے گا اس کے؟ آہ وہ بس پریشان سا ماتھا سہلاتا رہ گیا۔

"سر آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ آپ کچھ آرام کر لیں تب تک میں اور صائم سر یہ کیس دیکھ لیتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے آگے۔" تابش نے اس کی پریشان کن حالت دیکھی تو اسے مشورہ دیا۔

سمریز نے کچھ بھی کہنے کی بجائے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جیسے وہ خود بھی تھک گیا ہو۔ جیسے یہ سب اب اس کی برداشت سے باہر ہو رہا ہو۔

اس کے اثبات میں سر ہلانے پر صائم اور تابش چیزیں سمیٹ کر باہر جانے لگے۔

"تابش!" سمریز نے اسے پکارا تو وہ رک گیا۔ صائم بھی ساتھ ہی رکا تھا مگر سمریز کو تابش کی طرف متوجہ دیکھ وہ باہر بڑھ گیا۔

"کل کیا ہوا تھا گراؤنڈ میں، میرے ساتھ؟" سمریز نے دھیمے سے لہجے میں پوچھا۔ آنکھوں میں پریشانی ہچکولے لے رہی تھی۔ کچھ غلط تھا، مگر کیا؟ یہ سمجھ سے باہر تھا۔

"سر کل آپ دوڑ رہے تھے اور پھر اچانک رک سے گئے۔" تابش کے بتانے پر سمریز کی آنکھوں کے سامنے کل کے منظر گھومنے لگے۔

"پھر آپ دو سیکنڈ بعد دوبارہ آگے دوڑنے لگے مگر پھر چھ سے سات سیکنڈ بعد ہی آپ منہ کے بل گر پڑے۔" تابش کے کہنے پر سمریز نے الجھن سے بھرپور آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ایسے جیسے اس کی بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔

"اور پھر کیا ہوا تھا؟" اس کے سوال پر تابش نے ماتھا سہلاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"سر پھر آپ کھڑے ہوئے اور ہمیں لگا آپ پھر دوڑ لگائیں گے مگر آپ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ وننگ لائن کراس ہو گئی اس کے باوجود آپ رکے نہیں اور گراؤنڈ سے ہی

باہر نکل گئے۔" سمریز اس کی بات پر خاموش بیٹھا رہا۔ آنکھوں میں الجھن اب بھی واضح تھی۔

"سر پھر ہم نے کافی دیر آپ کا انتظار بھی کیا مگر آپ واپس ہی نہیں آئے۔ اسی دوران فراز شیخ کے قتل کی بھگدڑ بھی مچ گئی تھی۔ کافی کالز بھی کیں ہم نے آپ کو اور بھابھی بیچاری کافی پریشان ہو گئی تھیں۔ میں نے کافی تلاش کیا آپ کو۔ پولیس سٹیشن بھی آیا تھا آپ کو دیکھنے مگر پھر بھابھی کی کال آئی کہ آپ گھر آ گئے ہیں۔" تابش نے پوری بات اس کے گوش گزار کی۔

اس کی باتوں پر سمریز الجھا ہوا سوچوں میں گم بیٹھا رہ گیا۔ البتہ تابش اس سے اجازت طلب کیے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

ooooooooooooooooooo

وہ تینوں آج ایک بار پھر گلاس ڈور کے پاس پڑی میز پر بیٹھی تھیں۔ صلہ منہ لٹکائے اور وہ دونوں اس پر نظریں ٹکائے۔

کل جو بھی کچھ ہوا تھا میرب واقف تھی اور صلہ مریم کو بھی بتا چکی تھی۔

"دیکھو صلہ تم ان سے بات کرو ہو سکتا ہے کوئی پرابلم ہوئی ہو اس وجہ سے وہ گھر چلے آئے ہوں۔" مریم نے سمجھانا چاہا۔

Clubb of Quality Content

"پرابلم، ایسی کون سی پرابلم ہو گئی کہ وہ یوں بنا بتائے گھر چلا گیا۔ اور تو اور جب میں گھر گئی تو وہ گھوڑے بیچے سو رہا تھا۔ ویسے تو آدھی آدھی رات تک پولیس سٹیشن میں بیٹھا رہتا ہے اور کل اسے اتنی نیند آرہی تھی کہ وہ ہمارے ساتھ کچھ دیر بیٹھ بھی نہیں سکا۔" صلہ کو تو آج واقعی بے تحاشہ غصہ آیا ہوا تھا۔

"صلہ یوں ناراض رہ کر بات نہ کر کے مسلے تھوڑی حل ہو جائیں گے۔ تم بات کر کے تو دیکھو ان سے۔" میرب نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ البتہ مریم کو وہ آج مکمل نظرانداز کر رہی تھی۔

"میں اب اس شخص سے کوئی بات نہیں کروں گی بس۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" اس نے حتمی انداز میں کہا۔

"میں نے بہت کوشش کی کہ اس کے دل میں جگہ بنالوں مگر نہیں وہ ایک سنگ دل اور خود غرض انسان ہے۔ میں اب اس کے پیچھے نہیں جاؤں گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں اب اس سے کوئی بات نہیں کروں گی۔ اسے اس کی زندگی اور اس کا انتقام مبارک ہو۔ صلہ شاہد اب اس کیلئے مزید خوار نہیں ہو گی۔" یہ بات کرتے ہوئے جیسے اس کی آواز میں کرب سا تھا۔

اسے وہ دن یاد آیا جب اسے پہلی بار سمریز کو لے کر محبت کا احساس ہوا تھا۔اس کی خودداری اسے بھا گئی تھی مگر آج اسے اس شخص میں صرف خود غرضی دکھ رہی تھی۔

"دیکھو صلہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ تمہیں اس کے ساتھ پوری زندگی گزارنی ہے۔تم دونوں ایک ساتھ رہ کر ایک دوسرے سے منہ نہیں موڑ سکتے۔"مریم نے اسے سمجھانا چاہا۔

"تو یہ بات اسے بھی تو کوئی سمجھائے نا۔اسے بھی تو سمجھاؤ کہ ہم ایسے ساری زندگی نہیں گزار سکتے۔تم جانتی ہو اس دن میں نے تمہارے کہنے پر عمل کرتے ہوئے اس کیلئے ایک سرپرائز پلان کیا تھا مگر۔" یہ بات کرتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔

ان آنسوؤں کی دھند میں ہر منظر جیسے دھندلا ہوتا گیا۔

"عالیان سب ریڈی ہے نا؟"صلہ نے ایک ٹیبل پر کچھ سامان رکھتے ہوئے عالیان سے پوچھا۔

"ہاں ماما سب ہو گیا۔اب میں چھپ جاؤں؟"عالیان نے ایک آخری غبارہ دیوار پر چپکاتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

"نہیں ابھی رکو پہلے تمہارے بابا کو کال تو کر دوں۔اچھا تم بولنا مت ٹھیک ہے۔"آخر میں جیسے اسے کچھ سمجھایا ہو۔

"ہاں ماما ٹھیک ہے۔" عالیان نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

صلہ موبائل کان سے لگائے کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ تین بیلوں کے بعد کال پک کر لی گئی۔

"السلام علیکم!" صلہ نے اپنے لہجے میں ڈھیروں پریشانی سموتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! سب خیریت؟" دوسری طرف سمریز اس کی پریشان کن آواز پر ٹھٹکا۔

"نہیں سب خیریت نہیں ہے سمریز۔ وہ، وہ۔" صلہ نے بھرپور اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنا چاہا۔

"کیا ہوا ہے صلہ؟" سمریز واقعی پریشان ہوا تھا۔

"سمریز وہ عالیان۔" صلہ نے ایک بار پھر اداکاری کے سارے ریکارڈ توڑے۔ اس کے ساتھ کھڑے عالیان نے اس کی اداکاری پر ہونٹ بھینچے، ننھے ہاتھ ان پر جمائے اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کی۔

"کیا ہوا ہے عالیان کو صلہ؟" عالیان کے نام پر سمریز کے ذہن میں لال بتی جلنے لگی تھی۔

"سمریز میں اور عالیان ہم دونوں۔" اس نے تھوک اندر انڈیلی اور پھر دوبارہ کہنا شروع کیا۔ واقعی ایک اوسکر تو وہ بھی ڈیزرو کرتی تھی۔

"ہاں کیا ہوا ہے صلہ۔ بتاؤ مجھے، پریشانی ہو رہی ہے مجھے۔ سب ٹھیک ہے نا؟" سمریز کی آواز کافی اونچی ہو گئی تھی۔ اسے زمین اپنے پیروں سے کھسکتی محسوس ہو رہی تھی۔

"ہم دونوں یہاں ڈریمرز ریسٹورنٹ آئے تھے اور پھر، پھر میں دو منٹ کیلئے واشروم گئی تھی اور جب واپس آئی تو۔" صلہ نے اداکاری میں سسکی کا بھی اضافہ کیا۔

"تو کیا ہوا صلہ جلدی بولو؟" سمریز کے دماغ سن ہونے کے قریب تھا۔ خطرے کی بو ہر طرف پھیل سی گئی تھی۔ اس لیے وہ اپنی جگہ سے اٹھتا، گاڑی کی چابی اٹھائے باہر بڑھنے لگا۔

"تو عالیان کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ سمریز عالیان کہیں بھی نہیں مل رہا۔" اور سمریز بخاری کے پیروں کے نیچے سے زمین واقعی کھینچ لی گئی تھی۔

"میں نے بہت ڈھونڈا اسے مگر، مگر وہ کہیں نہیں مل رہا۔" صلہ کے تو آنسو بھی بہہ نکلے تھے۔ دوسری طرف سمریز کو پورا تھانہ اپنے سر پر گرتا محسوس ہوا۔ وہ بے جان قدموں کے ساتھ گاڑی تک آیا۔

"میں آ رہا ہوں۔ تم پریشان مت ہوں۔ بس پانچ منٹ تک آ جاؤں گا۔ ٹھیک ہے۔ تم دیکھو ہو سکتا ہے اِدھر اُدھر ہی کہیں ہو گا۔" سمریز نے صلہ کو تسلی دی یا شاید خود کو دی تھی۔

اگلے پانچ منٹ وہ صلہ سے مکمل رابطے میں رہا تھا اور صلہ بھی پانچ منٹ اوسکرونگ پرفارمینس دیتی رہی تھی۔

ریسٹورنٹ کے باہر گاڑی روک کر وہ فون کان سے ہٹاتا آگے بڑھا۔ ریسٹورنٹ میں ہر چیز اپنے معمول پر تھی۔ کانٹے چمچوں کی آوازیں، خوش گپیاں لگاتے لوگ، اور کاموں میں مصروف عملہ۔ مگر سمریز، یہ سب چیزیں بھی سمریز کے دماغ پر ہتھوڑے برسا رہی تھیں۔ وہ اِدھر اُدھر نگاہ دوڑاتا اوپر جانے کا راستہ ڈھونڈنے لگا۔ کیونکہ صلہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ اوپری منزل پر ہے۔ پریشانی اتنی تھی کہ وہ یہ بھی غور نہ کر سکا کہ اگر کوئی بچہ غائب ہوا ہوتا تو یہاں کچھ بھی معمول پر مت ہوتا۔

سیڑھیاں دکھیں تو وہ ان کی طرف بڑھا۔ چند قدموں میں سیڑھیاں پھلانگتے وہ اوپر پہنچا تو خاموشی اور اندھیرے نے اسے خوش آمدید کہا۔ وہ اکھڑی سانسوں اور پریشان نگاہوں سے ارد گرد دیکھنے کی کوشش کرنے لگا جب اچانک لائیٹس اون ہوئیں۔

"سرپرائز!" صلہ اور عالیان کی زندگی سے بھرپور آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اور ساتھ ہی ساتھ ڈھیر سارے پارٹی پاپرز بھی اس کے سر پر پھوٹے تھے۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے ڈیئر سمریز، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" صلہ اور عالیان دونوں نے ایک آواز میں گانا گایا۔ پھر دونوں مسکراتے چہروں سے اسے دیکھنے لگے اور وہ بے یقین، الجھی نگاہوں سے انہیں۔

"کیسا لگا سرپرائز؟" صلہ نے چہکتے ہوئے پوچھا۔

"یہ سب کیا تھا صلہ؟" سمریز کی آواز بہت کچھ ضبط کیے ہوئے تھی۔

"تمہارا برتھ ڈے ہے نا۔ بس اسی لیے ہم نے تمہیں سرپرائز دینے کا سوچا۔ کیسا لگا سرپرائز؟" صلہ نے اس کے لہجہ پر کان دھرے بغیر بڑی ہی خوشی سے اپنا کارنامہ بتایا۔

"سرپرائز؟ دماغ تو درست ہے تمہارا؟ جانتی بھی ہو کتنا۔" اس نے دانت پر دانت جمائے ضبط کیا۔

"کتنا پریشان ہو گیا تھا میں؟ یہ کیا حرکت تھی؟" پھر ضبط کرتی آواز میں استفسار کیا گیا۔ صلہ تو ہونق نگاہوں سے اسے تکنے لگی۔

"ہم تو بس تمہیں سرپرائز دے رہے تھے۔ تم اتنا ہائپر کیوں ہو رہے ہو؟" صلہ نے مدھم سے لہجے میں اپنی بات سمجھانا چاہی۔

"میں ہائپر کیوں ہو رہا ہوں؟ میں؟ تم جانتی بھی ہو کتنا گھٹیا مذاق تھا یہ؟" سمریز کا یہ کہنا تھا کہ صلہ کو اپنے دل کے ٹوٹنے کی آواز کانوں میں سنائی دی۔

"ایک باپ کو تم نے یہ کہہ کر بلایا کہ اس کا بیٹا گم ہو گیا ہے اور یہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ میڈم سرپرائز دینا چاہتی تھیں۔امپریسیو!" آنکھوں میں غصہ اور لبوں پر طنزیہ مسکان لیے کہا گیا۔ انداز ایسا تھا کہ جیسے نادیدہ داد دی ہو۔

صلہ کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے۔ سمریز نے گہری سانس بھری اور ماتھا سہلاتے ہوئے خود کو پُر سکون کرنے کی کوشش کی۔

عالیان بھی سمریز کے انداز پر ذرا گھبرا سا گیا تھا اور پھر صلہ کے آنسو دیکھ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو جمع ہو گئے۔ سگی ماں نا سہی مگر وہ عورت ہی اس کیلئے ماں تھی۔ یہ ماں اور اولاد کا رشتہ بھی عجیب کتنا عجیب ہوتا ہے نا۔ایک کی آنکھ میں آنسو ہوں تو دوسرے کی آنکھ خود با خود نم ہو جاتی ہے۔

"بابا ماما کو مت ڈانٹیں۔ میں نے ماما سے کہا تھا کہ آپ کی برتھ ڈے ہے تو ہم آپ کو سرپرائز دیتے ہیں۔آپ دونوں لڑیں نہیں پلیز۔" عالیان نے صلہ کی حمایت میں آواز اٹھائی۔اس

کے مخاطب کرنے پر سمریز نے نگاہ اس کی طرف موڑی۔اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ دل پسیج کر رہ گیا۔وہ ایک سانس ہوا کے سپرد کرتا اس کی طرف آیا۔

"ہم لڑ نہیں رہے بس بات کر رہے تھے۔" سمریز نے اس کے پاس زمین پر ایک گھٹنا ٹکائے بیٹھتے ہوئے سمجھانا چاہا۔

"تو آپ ماما پر غصہ مت کریں۔دیکھیں ماما رو رہی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے عالیان کے چند آنسو مزید بہہ نکلے۔سمریز نے ایک نگاہ اٹھا کر صلہ کی طرف دیکھا۔

اس کی ناک سرخ ہو چکی تھی اور آنکھیں مزید آنسو بہانے کی تیاری کر رہی تھیں۔سمریز گہرا سانس بھر کر رہ گیا۔مطلب غلطی اس کی مگر سر سمریز کو ہی جھکانا پڑے گا۔

پھر اس نے عالیان کے گالوں سے نمی صاف کی اور کھڑا ہوا۔

"آؤ کیک کاٹیں ہاں۔" وہ عالیان سے کہتا صلہ کے برابر آ کر کھڑا ہوا۔ایسے کہ عالیان بیچ میں اور صلہ اس کے دائیں طرف تھی۔

بھاری، تناؤ زدہ ماحول میں کیک کاٹا گیا۔فیملی ٹائم سپینڈ کیا گیا۔مگر دل سب ہی کہ اداس ہو گئے تھے۔نا جانے ان کی زندگی میں وہ دن کب آئے گا جب خوشی کے دن دل بھی خوش ہوں گے۔

اس دن کو یاد کر کے صلہ کی آنکھوں کی نمی گالوں پر بہہ نکلی۔

"مگر اس نے اس دن بھی مجھ پر غصہ کیا۔اس کے بعد دو سے تین دن مجھ سے ٹھیک سے بات نہیں کی۔"آہ بیچاری! کتنے دکھوں میں گھری ہوئی تھی۔

"پر تم نے بھی تو غلط کیا تھا نا۔یوں عالیان کے گم ہو جانے کا بہانہ بنا کر انہیں بلانا بھی تو غلط تھا۔"مریم نے سمجھانا چاہا۔

"تو کیا کہہ کر بلاتی میں اسے ہاں۔فرصت تو ہوتی نہیں ہے اس کے پاس۔اور ویسے بھی میں نے صرف ایک چھوٹا سا پرینک کیا تھا مگر اس نے کتنی باتیں سنا ڈالیں مجھے۔"سسکتا لہجہ، غمزدہ آواز۔

"میں جتنا اس شخص کے پیچھے بھاگتی ہوں وہ مجھ سے اتنا ہی دور چلا جاتا ہے۔اب میں اس کے پیچھے نہیں جاؤں گی۔اب میں اس کے ساتھ ویسا ہی رویہ رکھوں گی جیسے وہ میرے ساتھ رکھتا ہے۔"صلہ نے جیسے ہر فیصلہ کر لیا تھا۔

"پر یہ حل تو نہیں ہے نہ۔تم اگر ایک بار تحمل سے ان سے بات کر لو تو اچھا ہو گا۔"میرب نے بھی سمجھانا چاہا۔شاید یہ پہلی بات تھی جس پر مریم اور میرب ایک صفحے پر تھیں۔میرب کی بات پر وہ ماتھے پر بل ڈالے اسے گھورنے لگی۔

"وقت ہے اس کے پاس بات کرنے کا ہاں؟ تم ہی بتاؤ اتنا سا بھی وقت ہے صحیح اس کے پاس؟" اس نے انگھوٹے اور شہادت کی انگلی ایک دوسرے کے قریب لاتے ہوئے کہا۔

"اور ویسے بھی جو شخص آپ کی پرواہ نہ کرے آپ کو چاہیے کہ اس سے دوری اختیار کر لو۔ یہ چیز آپ کو ذہنی سکون سے نوازتی ہے۔" صلہ کی آواز گیلی سی تھی۔

"اسے صرف اپنے انتقام کی پڑی ہے۔ اسے صرف اس شخص سے بدلہ لینا ہے جس نے اس کے چچا اور بیوی کا قتل کیا ہے بس۔ اور کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے اسے۔ اور مجھ سے یہ ذہنی بے سکونی برداشت نہیں ہوتی اب۔" صلہ کی آواز حد سے بڑھنے لگی تھی۔ کیفے میں اس وقت چند ہی لوگ تھے اور وہ بھی ان سے کافی فاصلے پر تھے۔ اس کی اونچی آواز پر دو تین لوگوں نے مڑ کر اس کیطرف دیکھا۔ مریم نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اسے آواز دھیمی کرنے کا اشارہ کیا۔ تو وہ تیز تنفس کے ساتھ منہ موڑے گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی۔

میرب اور مریم گہرا سانس بھر کر رہ گئیں۔

oooooooooooooooooooooo

جاری ہے

آج شام سمریز جلدی گھر لوٹ آیا تھا۔اس کا ذہن عجیب کشمکش کا شکار تھا۔ بیل بجا کر وہ دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔صلہ نے آکر دروازہ کھولا اور ایک بھی نگاہِ اس پر ڈالے بغیر اندر بڑھ گئی۔ سمریز اس کے رویے پر گہرا سانس بھرتا اندر آیا۔اسے دیکھ عالیان بھاگتے ہوئے آکر اس سے لگا۔عالیان سے ملنے کے بعد وہ فریش ہونے چلا گیا۔صلہ نے آج اس سے کسی قسم کی کوئی بات نہ کی۔آج وہ خاموش تھی تو پورا گھر سنسان سا لگ رہا تھا اسے۔

جب وہ فریش ہو کر واپس آیا تو صلہ کی خوش باش سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

پر مجھے تو رسٹی پسند ہے۔ کتنا کیوٹ ہے یہ۔" اس وقت وہ دونوں شاید لائٹننگ میک کوئین دیکھنے میں مصروف تھے۔ سمریز کو باہر آتا دیکھ اس کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔ چہرے پر دوبارہ ناراضگی کے تاثرات چھا گئے۔ وہ چلتا ہوا آیا اور اس کے برابر ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔ صلہ یک دم کرنٹ کھا کر اٹھی تھی۔ ابھی وہ وہاں سے جاتی کہ سمریز نے اس کا ہاتھ تھاما۔ صلہ نے ہونٹ بھینچ لیے۔ پھر کبمچھ کہنے کیلئے منہ کھولا ہی تھا کہ سمریز کی تکان زدہ سی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"ایم سوری۔" ہاتھ تھامے بس یہی الفاظ ادا کیے گئے۔ صلہ کے تمام الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے۔ مگر

صلہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس انتظار میں کہ شاید وہ آگے کچھ بولے گا۔ شاید کوئی صفائی پیش کرے گا۔ لیکن دوسری طرف بھی خاموشی رہی۔

"کچھ تو بولو۔ یوں خاموش مت رہو صلہ۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔" اس کی آواز تو کانوں کو سنائی دی مگر الفاظ وہ نہیں تھے جو وہ خیال کر رہی تھی۔ صلہ نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالا۔

"تم وہ سمریز نہیں ہو جس سے میں نے محبت کی تھی۔ وہ سمریز تو خوددار تھا۔ خود غرض نہیں۔" صلہ نے جیسے ہارے ہوئے انداز میں کہا۔

"میں نے کوئی خود غرضی نہیں کی صلہ۔" اس کی آواز کچھ اونچی ہوئی تھی مگر انداز اب بھی تکان زدہ تھا۔

"مجھے تمہاری اتنی سی بھی سمجھ نہیں آتی۔ تمہارا رویہ میری سمجھ سے بالکل باہر ہے۔۔۔"

"عالیان بیٹا روم میں جاؤ اور پلے سٹیشن نکالو۔ میں آتا ہوں ابھی پھر کھیلتے ہیں اوکے۔" صلہ آگے کچھ کہتی کہ سمریز نے عالیان کو روم میں جانے کا کہا۔

وہ اس بات پر خوش کے اتنے دنوں بعد سمریز اس کے ساتھ گیم کھیلے گا جلدی جلدی کمرے میں بھاگا۔ صلہ اسے گھورتی خاموشی سے جانے لگی جب سمریز کی پکار نے اسے رکنے پر مجبور کیا۔

"اب بتاؤ۔ کس رویے کی بات کر رہی ہو؟" ماتھے پر بل لیے استفسار کیا گیا۔

"تمہارے اس رویے کی۔ مجھے سمجھ نہیں آتی۔ پہلے تم مجھ پر چلاتے ہو۔ غصہ کرتے ہو، کبھی ہمیں کسی جگہ پر اکیلے چھوڑ جاتے ہو اور پھر جب میں کچھ کہتی ہوں تو سوری بولنے لگتے ہو۔" اس کی آواز سے لگ رہا تھا کہ وہ واقعی تھک گئی ہے۔

"تم آج پھر سوری بول رہے ہو مگر تھوڑے دنوں بعد دوبارہ کچھ ایسا ہو گا کہ تم پھر سے یا تو مجھ پر غصہ کرنے لگو گے یا پھر دوبارہ ہمیں کہیں چھوڑ کر خود گھر پہنچ جاؤ گے۔"ماتھے پر بل لیے شکوہ کیا گیا۔

"یہ کیسا رویہ ہے؟ کیا ہے یہ سب؟"انداز میں الجھن واضح تھی۔

"دوبارہ ایسا نہیں ہو گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔" سمریز نے دھیمے سے لہجہ میں یقین دلانا چاہا۔

صلہ کچھ دیر ماتھے پر بل لیے اسے دیکھتی رہی ایسے جیسے تنگ آ گئی ہو اس کی باتوں سے پھر چند لمحے بعد اس کی آواز دوبارہ گونجی۔

"یہ وعدہ تو تم نے پہلے بھی کیا تھا۔"صلہ نے اسے یاد دلانا چاہا۔

"میں نے وعدہ کیا تھا کہ کبھی ثناء کو ہمارے بیچ نہیں لاؤں گا۔اور واقعی میں نے کبھی تمہارے سامنے اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔"وہ واقعی ٹھیک کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ دیکھتے ہیں۔"صلہ یہ کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔انداز سے صاف ظاہر تھا کہ اسے یقین نہیں آیا۔ سمریز ہونٹ کاٹتا عالیان کے پاس جانے کیلیے مڑ گیا۔

وہ کمرے میں پہنچا تو عالیان سارا کچھ پھیلائے بیٹھا تھا۔وہ اس کے ساتھ ہی زمین پر جا کر بیٹھ گیا۔عالیان پلے سٹیشن ریڈی کر رہا تھا مگر سمریز اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ سامنے لگی ایل سی

ڈی پر نظریں جمائے کسی اور سوچ میں گم تھا۔"آخر کل وہاں اس گراؤنڈ میں اس کے ساتھ ہوا کیا تھا؟"وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ سوال اس کی تقدیر میں لٹکتا ایک خنجر تھا۔جو اگر گر گیا تو سمریز بخاری دوبارہ کبھی آٹھ نہیں سکے گا۔کاش کہ وہ جان لیتا لیکن صد افسوس کہ قسمت کے فیصلے ہماری خواہشات کے برعکس ہوتے ہیں۔

oooooooooooooooo

جاری ہے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ناول ہلفیتی

قسط نمبر:۔25

وقت بیتتا گیا، لمحے گزرتے گئے اور گھڑی کی سوئیاں آگے سرکتی چلی گئیں۔بہار کا موسم شروع تو خوشگوار ہوا تھا مگر کون جانتا تھا کہ اس کے اختتام پر صلہ کے دل میں ہمیشہ رہنے والی

خزاں پنجے گاڑھ بیٹھے گی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہر کوئی اپنی زندگی میں مصروف ہو گیا۔ کوئی اپنے انتقام میں، کوئی اپنی ناراضگی میں تو کوئی اپنے پیارے کے احساس میں سانسیں جیتا گیا۔ ساری گرمیاں یوں ہی گزر گئیں۔ اب کہ پورے شہر میں خزاں کا موسم پھیل گیا تھا۔ بہار نے تو بہت سے لوگوں کی زندگی میں خزاں پھیلادی تھی اب یہ خزاں کیا کسی کی زندگی میں بہار پھیلائے گی؟ یہ ایک سوالیہ نشان تھا اور ہر کوئی اس بات سے ناواقف اپنی زندگی میں مصروف رہا۔

سمریزا گر اسے ڈھیٹ کہتا تھا تو وہ واقعی دکھارہی تھی کہ وہ کتنی ڈھیٹ تھی۔ صلہ نے اس عورت سے رابطہ کیا تھا۔ انہیں مقابلے کی تفصیلات دی گئیں تھیں۔ وہ عورت ڈیلیشیئس نامی ایک بڑے ہوٹل کی ہیڈ شیف تھی۔ ملک میں اس ہوٹل کا ایک بہت بڑا نام تھا۔ پورے ملک میں جگہ جگہ اس کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اپنے منفرد کھانوں کی وجہ سے وہ پورے ملک میں ایک الگ پہچان رکھتا تھا۔

اگلے مہینے کی سترہ تاریخ کو وہ مقابلہ رکھا گیا تھا۔ وہ کیک کیسے بنا۔ یہ بات میرب کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھی۔ اب تو میرب نے مریم کا کام بگاڑنے کی بجائے اس سے دوری اختیار کر لی

تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو مکمل نظر انداز کرتی تھیں۔ وہ ساتھ تب بیٹھتی تھیں جب صلہ پریشان ہوتی تھی بس۔ اس کے علاوہ اپنے کام سے کام رکھنا۔

یوں ہی ایک دن میرب اپنے کام میں مصروف کیفے کے پیچھے کی طرف آئی تھی۔ کچھ پرانا سامان پھینکنے کیلئے۔ کیفے کے پیچھے کا ایریا کسی گھر کے صحن کی مانند تھا۔ دو تین سٹیپس نیچے آکر صحن شروع ہوتا تھا۔ میرب پیچھے کا دروازہ کھول سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگی تو مریم کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"مامی، آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں۔ مجھے نہیں ملنا ان لوگوں سے۔ اور ویسے بھی یہاں بہت کام ہے میں نہیں آسکتی۔" مریم اس وقت رندھی ہوئی آواز میں فون کے دوسری طرف موجود نفوس سے منت کر رہی تھی۔

"پلیز مامی، مجھے نہیں کرنی شادی۔ اگر آپ کہیں گی تو میں کسی ہاسٹل میں شفٹ ہو جاؤں گی لیکن شادی نہیں کرنی مجھے۔" مریم کا رندھا لہجہ اور بھیگی آواز سن نا جانے کیوں اسے برا لگ رہا تھا۔ چاہے صلہ کی وجہ سے وہ اس سے جلتی تھی مگر اتنی بری نہیں تھی کہ اس کی زندگی کی پریشانیوں پر خوش ہو۔

فون کی دوسری طرف سے کچھ کہا گیا جس پر اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔

"پر میں۔ہیلو ہیلو۔" مریم آگے کچھ کہتی کے کال کٹ گئی۔میرب خاموشی سے اسے دیکھے گئی جو موبائل کان سے اتارتی آنسو بہارہی تھی۔

میرب کو معلوم تھا کہ اس کی پہلے طلاق ہو چکی ہے۔ مگر کیوں اور وہ دوبارہ شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی اس بارے میں میرب تو کیا صلہ کو بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔وہ دونوں نہیں جانتی تھیں کہ یہ لڑکی اپنے اندر کتنے غم لیے ہوئے ہے۔چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ قدم آگے بڑھاتی اپنی مطلوبہ چیز کی طرف بڑھ گئی۔مریم کو جب ہلچل محسوس ہوئی تو وہ آنسو صاف کرتی کیفے کے اندر واپس گم ہو گئی۔

oooooooooooooooo

رات کے 1:00 بجے کا وقت تھا جب وہ گھر کا لاک کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔صلہ اب نہ تو اس کے آنے کا انتظار کرتی تھی اور نہ ہی اس کیلئے دروازہ کھولنے آتی تھی۔اور اسی لیے اس نے سمریز کی چابیوں میں گھر کے لاک کی چابی کا بھی اضافہ کر دیا تھا۔

وہ ٹی وی لاؤنج سے بیڈ روم میں جانے لگا کہ صلہ کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔وہ اس کی آواز کے ارتکاز میں چل پڑا۔

"اللہ میاں ! آپ تو سب جانتے ہیں نا میں نے اس رشتے کو نبھانے کیلیئے کتنا کچھ کیا ہے۔" صلہ اس وقت بیڈ روم کے ساتھ موجود دوسرے کمرے میں جائے نماز بچھائے دعا کیلیئے ہاتھ پھیلائے بیٹھی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ شاید دوسرے کمرے میں سوتے عالیان کی وجہ سے۔ وہ چوکھٹ میں کھڑا ہو گیا۔

"اللہ تعالٰی میں نے سمریز کا دل جیتنے کیلیئے اتنے پاپڑ بیلے ہیں مگر اس شخص کا دل نرم ہی نہیں ہوتا۔" دعا کیا وہ تو اس وقت سمریز کی شکایتیں لگانے میں مصروف تھی۔ اور وہ دونوں بازو سینے پر باندھے اس کی لگائی گئی شکایتیں سننے میں۔

"ٹھیک ہے میں نے کچھ غلطیاں کی ہیں لیکن میں ایسا چاہتی نہیں تھی اور آپ کو تو معلوم ہے نا کہ وہ احسان جتانے والا مشورہ میرب کا تھا نہیں تو میں کبھی یہ کام نہ کرتی۔" اس بات پر سمریز کے ماتھے پر بل ڈلے۔

"میں نے غلطی ضرور کی ہے مگر میں تو صرف سمریز کو احساس دلانا چاہتی تھی۔ میری نیت تو کوئی احسان جتانے والی نہیں تھی۔ مگر اس شخص نے کتنا غصہ کیا مجھ پر اور غصہ بھی چھوڑو میں نے اسے سوری بھی بولا مگر اس کے بعد بھی اس نے اپنا رویہ ٹھیک نہیں کیا۔ ہر وقت سڑے

ہوئے لہجے میں رہتا ہے۔"صلہ کی یہ ساری شکایتیں سن اس کے لبوں پر مسکان سی کھلی تھی۔

"اور ہاں اللہ میاں اس دن جب میں نے اس کیلئے سرپرائز پلان کیا تھا۔تب بھی اس نے کتنی باتیں سنائیں تھیں۔میرے سارے سرپرائز کا مزہ کرکرا کر دیا تھا۔ٹھیک ہے میں نے غلط کی۔اجھے عالیان کے گم ہونے کا بہانہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔مگر پھر بھی وہ مجھے بعد میں پیار سے بھی تو سمجھا سکتا تھا نا۔ایک بار پھر ہر بات کے ساتھ منہ کے زاویے بگاڑ کر شکایت لگائی گئی۔سمریز خاموشی سے کھڑا اس کے شکوے سنتا رہا۔

"ارے میں بھی کتنی بے وقوف ہوں اگر وہ اتنا اچھا ہوتا،پیار سے سمجھانے والا تو مجھے یوں شکایت لگانے کی ضرورت ہی نا پڑتی۔"اب کی بار جیسے خود ہی اپنی عقل پر ماتم کیا تھا۔اس کی بات پر سمریز کا دل کیا قہقہ لگا کر ہنسے۔یہ لڑکی اتنی بری بھی نہیں تھی جتنا وہ اسے سمجھتا تھا اس نے دل میں اقرار کیا تھا۔

"پر اللہ میاں اگر میں یہ بہانہ نہ بناتی تو اس نے کونسا میرے بلانے پر آ جانا تھا۔اللہ میاں آپ اس کا دل نرم کر دیں نا۔"اس کی آخری بات پر سمریز کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔عجیب سے احساس نے گھیرا تنگ کیا تھا۔

صلہ اب کہ کچھ اور دعائیں کرنے لگی تھی۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑا اس کی پیٹھ کو تکتا رہا پھر بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

ooooooooooooooooooooo

"السلام علیکم بابا!" موبائل سے صلہ کی آواز ابھری تو شاہد کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"وعلیکم السلام! کیسا ہے میری بیٹی؟" بہت ہی پیار سے پوچھا گیا۔ دوسری طرف موجود صلہ اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑی تھی۔ فجر کا وقت ختم ہوئے کافی پل بیت چکے تھے۔

میں بالکل ٹھیک ہوں بابا۔ آپ سنائیں کیسے ہیں؟ صلہ نے ان سے ان کی خیریت دریافت کی۔ شاہد کی طرف سے جواب دیا گیا۔ اسی وقت بالکنی کے دروازے پر سمریز نمودار ہوا تھا۔ وہ شاید ابھی جاگا تھا اور بالکنی سے اس کی خوش باش آواز سن کر اس طرف بڑھ آیا تھا۔ آج کافی دنوں بعد اس نے صلہ کو اتنا خوش دیکھا تھا۔ ورا سے خوش دیکھ کافی اچھا محسوس ہو رہا تھا۔ چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ وہاں سے جانے لگا تھا کہ اس کی اگلی بات پر رک گیا۔

"مجھے نا آپ کو ایک بہت کمال بات بتانی ہے۔" صلہ کی چہکتی آواز شاہد اور سمریز دونوں کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"اچھا جی۔ بتائیں پھر کونسی بات بتانی ہے۔" شاہد کے انداز میں محبت ہی محبت تھی۔ سمریز بھی غور سے سننے لگا۔

"بابا آپ کی بیٹی کے کیفے کو ڈیلیشیئس کی طرف سے سال کے سب سے بڑے کمپیٹیشن میں سلیکٹ کیا گیا ہے۔" صلہ نے پرجوش لہجے میں بتایا۔ اس کی بات پر جہاں شاہد کے چہرے پر مسکراہٹ کھلی تھی وہیں سمریز کے چہرے پر بھی خوشی کی رمق جھلکی تھی۔

"ارے واہ! یہ تو سچ میں بہت بڑی کمال بات بتائی ہے۔" شاہد نے کہا۔

"جی بابا اور آپ کو پتا ہے پورے ملک سے کتنے بڑے بڑے شیفس آرہے ہیں اس مقابلے کو جج کرنے۔ بس آپ دعا کریں کہ آپ کی بیٹی جیت جائے پھر تو میرا خواب پورا ہو جائے گا۔ میرا کیفے اس شہر ہی کیا بلکہ ملک کے نامور کیفیز میں شامل ہو جائے گا۔" صلہ کی اس بات پر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ "ملک کے نامور شیفس۔" وہ زیرِلب بڑبڑایا۔ ذہن میں کچھ چلنے لگا تھا۔

"ہاں ہاں انشاءاللہ میری بیٹی ہی ون کرے گی۔" شاہد نے اس کے ساتھ اسے مزید دعاؤں سے نوازا۔ پھر کافی دیر دونوں باپ بیٹی یوں ہی باتیں کرتے رہے۔ جبکہ سمریز اسی بات پر اٹکا فریش ہونے کیلئے واش روم کی جانب بڑھ گیا۔ اس کا ذہن مختلف سوچوں میں گھرا ہوا تھا۔

oooooooooooooooooo

"اس شخص کو پکڑنے کیلیئے کچھ پلان کیا ہے میں نے؟" سمریز کی آواز میں آج کچھ خاص تھا۔

"کیا پلان ہے سر؟" صائم نے فوراً سے الرٹ ہوتے ہوئے پوچھا۔ تابش بھی سمریز کو ہی دیکھنے لگا تھا۔

"دیکھو۔۔۔" وہ اپنی جگہ پر سیدھا ہو بیٹھا۔

"ہم ابھی تک اس کے چھوڑے گئے نشانات پر چل رہے تھے لیکن اب وہ ہمارے نشانات پر چل کر ہم تک آئے گا۔" سمریز کے کہنے پر وہ دونوں ماتھے پر الجھن بھری لکیریں سجائے اسے دیکھنے لگے۔

"پر کیسے سر؟" تابش کی طرف سے سوال آیا۔

"وہ ایسے کہ ہم اس گندی مچھلی کیلیئے جال بچھائیں گے۔" سمریز اس بار واقعی کچھ سوچ چکا تھا۔ عزم پکے تھے۔

"پر کیسا جال؟ اور کیا وہ واقعی ہمارے جال میں آئے گا بھی یا نہیں؟" پہلا سوال صائم اور دوسرا تابش کی طرف سے آیا۔

"انسان کی عادت اس کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے۔ جس چیز کی عادت ہو جائے اس کے بغیر گزارا ناممکن ہو جاتا ہے۔" سمریز نے کہنے پر وہ دونوں اسے دیکھے گئے۔ وہ آگے کو جھک کر بیٹھا اور انہیں مزید سمجھانے لگا۔

"اس شخص کو عادت ہے نا شہر میں ہونے والی ہر بڑی تقریب میں قتل کرنے کی۔ تو اب اسے اس کی یہی عادت پکڑوائے گی۔" سمریز کی بات پوری ہوئی تو وہ دونوں سمجھ کر سر ہلا گئے۔

"پر کیسے؟" تابش کے پوچھنے پر وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

"تمہیں معلوم ہے شہر میں ڈیلیشیئس کی طرف سے ایک کمپٹیشن رکھا گیا ہے اور اس میں بڑے بڑے شیفس مدعو کیے گئے ہیں۔ اور صرف یہ ہی نہیں اس مقابلے میں ملک کے الگ الگ ریسٹورنٹ او کیفیز کو نامزد کیا گیا ہے۔ یعنی یہ ایک بہت بڑی تقریب ہونے والی ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ وہ شخص اتنا بڑا موقع ضائع کرے گا۔" سمریز کی بات سے وہ دونوں متفق تھے۔

"لیکن اس سے پہلے تمہیں ایک کام کرنا ہے۔ اور وہ یہ کہ دیکھو وہ شخص یا جو بھی لوگ ہیں وہ ہمیشہ جس جگہ پر قتل کرتے ہیں وہاں کے سارے سی۔ ٹی۔ وی زاپنے کنٹرول میں کر لیتے

ہیں اور یہ کام کوئی ہیکر ہی کر سکتا ہے۔اور اس دفع بھی ایسا ہی ہو گا۔ لیکن ہم ان کے جال پر جال بچھائیں گے۔ایک ہیکر ان کی طرف سے ہو گا تو دوسرا ہماری طرف سے ہو گا۔"یہ بات کرتے ہوئے اس کے انداز میں ایک عزم تھا۔اس دفعہ کامیابی پکی تھی۔

"اس لیے اب تم اس شہر کے ہر ہیکر کو، چاہے وہ افیشلی کام کرتا ہو یا چھپ کر اللیگل کام کرتا ہو۔تم ہر ایک کو ڈھونڈ نکالو۔اور پھر جس کا کام سب سے بہتر ہو گا اسے ہی ہم یہ زمہ داری سونپیں گے۔"سمریز کے کہنے پر تابش سمجھنے والے انداز میں اثبات میں سر ہلا گیا۔

oooooooooooooooooooooo

سر وہ انسپکٹر آج کل کچھ ہیکرز کو ڈھونڈنے میں لگا ہے۔الطاف کے سامنے کھڑے اس کے ایک قریبی ملازم نے اسے اطلاع دی تھی۔اس دن کے خود سے کیے گئے عہد کی پاسداری کرتے ہوئے اس نے تابش کے پیچھے اپنے اس قریبی ملازم کو لگا دیا تھا۔جو اسے اس کی پل پل کی خبر لا کر دیتا تھا۔ان دونوں نے بہت کوشش کی کہ کوئی ایسا موقع مل جائے کہ وہ تابش سے اپنی بے عزتی اور دو بار تھانے لے جا کر تشدد کرنے کا بدلہ لے سکے۔مگر ابھی تک کوئی ایسا سرا ہاتھ نہیں آیا تھا۔

مگر آج جب اس کے ملازم رؤف نے اسے اطلاع دی تو ایسے لگا کے مہینوں بعد انہیں ایک سرا مل ہی گیا ہے۔

"سر یہ اچھا موقع ہے اس سے بدلہ لینے کا۔ آپ کہیں تو اس کے کام میں رکاوٹیں ڈال دوں۔ جب کوئی ہیکر ہاتھ ہی نہیں لگے گا یا اس کے ہاتھوں سے چھین کر لے جاؤں گا تو آپ سوچ بھی نہیں سکتے کتنی ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا اسے۔" رؤف کے ٹھہر ٹھہر کر کہنے پر الطاف کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری۔

"ہاں۔ صحیح کہہ رہے ہو تم۔ یہ کام اسے اسی ڈی ایس پی نے دیا ہے نا۔ آہ بیچارہ جب شہر کے ایک بھی ہیکر اس کے ہاتھ نہیں لگے گا تو واقعی اس کے اس آئیڈیل کے سامنے کتنی بے عزتی ہو جائے گی۔" الطاف کو رؤف کا یہ پلان اچھا لگا تھا۔ اس نے باخوشی اسے اجازت دی اور رؤف اجازت ملنے پر تابش کے پیچھے نکل پڑا۔

oooooooooooooooooo

جاری ہے

"سر یہ لسٹ ہے ان ہیکرز کی جو آفیشلی ہیکنگ کر رہے ہیں۔کچھ پولیس ڈیپارٹمنٹ میں تو کچھ باقی کے الگ الگ نجی اداروں میں۔"تابش نے ایک شیٹ کا پرنٹ آؤٹ صائم احمد کے سامنے رکھا۔وہ دونوں اس وقت تھانے میں کھڑے سمریز کے بتائے ہوئے کام کو مکمل کرنے میں لگے تھے۔

"ان سب کا کام ہی میں دیکھ چکا ہوں۔ہر کوئی اپنے کام میں ماہر ہے۔"تابش کے کہنے پر وہ سر اثبات میں ہلانے لگا۔

"مگر سر اس کے علاوہ مجھے پانچ سے چھ ایسے لوگوں کی اطلاع ملی ہے جو اس شہر میں ہیکنگ کی دنیا کے کنگ مانے جاتے ہیں۔اور ان میں سے دو یہ ہیں۔یہ کہتے ہوئے اس نے ایک تصویر صائم کے سامنے رکھی تھی۔

تصویر میں دو بائیس سے تئیس سال کے لڑکے دکھائی دے رہے تھے۔ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھے چہروں پر مسکراہٹ سجائے۔کوئی اس تصویر کو دیکھتا تو ایک لمحے کیلئے ذہن میں خیال آتا کہ شاید ایک لڑکا شیشے کے سامنے کھڑا اپنے عکس کے ساتھ تصویر بنوا رہا ہے۔ان دونوں کی شکلیں حد درجہ ملتی تھیں۔شاید نہیں یقیناً وہ دونوں جڑواں تھے۔فرق صرف اتنا تھا کہ ایک کی آنکھوں پر نظر کی گول عینک لگی ہوئی تھی۔وہی ان دونوں کی پہچان جدا کرتی تھی۔

"سر یہ دونوں ٹوئنز ہیں اور اس شہر کے سب سے بڑے اور سب سے خفیہ ہیکر مانے جاتے ہیں۔اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ٹھکانے کسی کو معلوم نہیں۔"تابش نے اسے مزید مطلع کیا۔

"تو اب انہیں ڈھونڈو گے کیسے؟"صائم کے پوچھنے پر مسکرانے لگا۔

"سر جہاں سے ان کی خبر نکالی ہے نا وہاں سے کچھ مشکوک جگہوں کی بھی خبر ملی ہے۔مجھے پوری امید ہے کہ انہی جگہوں میں سے کہیں ایک پر تو ہمیں مل ہی جائیں گے۔"پورے یقین کے ساتھ کہا گیا۔

"تو ٹھیک ہے پھر انتظار کس بات کا۔تم آج ہی نکلو انہیں ڈھونڈنے۔"صائم کے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

جی سر۔ میں اور نور نکلتے ہیں پھر۔ انشاءاللہ یہ دونوں جلد ہی مل جائیں گے۔ وہ یہ کہہ کر نور کو آواز لگاتا باہر کی طرف بڑھا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○

"عروہ آج تاریخ کیا ہے؟" میکال نے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھینچتے ہوئے سوالیہ سے انداز میں پوچھا۔

"آج 10 تاریخ ہے۔" عروہ کچن کی شیلف سے دو مگ اٹھائے میز کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ انداز بالکل عام سا تھا۔ اور اسی وجہ سے میکال اسے آنکھیں چھوٹی کیے دیکھنے لگا۔

"اور اس مہینے کی 10 تاریخ کو کیا ہوتا ہے؟" ایک اور سوال کیا گیا۔ اس امید سے کہ شاید اس بار اسے کچھ یاد آجائے۔ پہلے تو وہ چند لمحے دماغ پر زور ڈالے سوچتی رہی اور پھر بلا آخر اس کیے دماغ کی بتی جلی تھی، چہرے پر مسکراہٹ کھلی تھی اور اس کی مسکراہٹ کے ساتھ ہی میکال کے لبوں پر بھی پیاری سی مسکان نے احاطہ کیا تھا۔

"آج تو ہماری انیورسری ہے نا۔" عروہ کی زندگی سے بھرپور آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ میکال نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور جانتی ہو نا کہ ہر انیورسری کو تمہیں ایک سرپرائز ملتا ہے۔" اس کی بات پر عروہ نے فوراً سر کو اوپر نیچے ہلایا۔ مگر میکال نہیں جانتا تھا کہ اس بار سرپرائز تو اسے ملے گا۔ زندگی بھر کا سرپرائز۔

"تو تیار رہنا شام کو سرپرائز کیلئے۔ ٹھیک ہے۔" میکال یہ کہہ کر کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔

"ٹھیک ہے لیکن کچھ ہنٹ تو دیں کیسا سرپرائز ہے اس بار؟" عروہ بضد رہی۔

"ہم کہیں جا رہے ہیں۔" میکال نے اسے بتایا تو وہ خوشی سے چمکتی نگاہیں لیے پوچھنے لگی۔

"کہاں جا رہے ہیں ہم؟' میکال نے خوشی سے ٹمٹماتی سیاہ آنکھیں دیکھیں تو دل میں ایک سکون سا اترا۔

"ایسی جگہ جو ہم دونوں کیلئے بہت یادگار ہے اور ہمیشہ سے تھی۔" میکال کے کہنے پر وہ سوچنے لگی کہ ایسی کون سی جگہ ہے۔ کاش کہ کوئی میکال کو بتا دیتا کہ وہ جگہ آئندہ کیلئے بھی بہت یادگار بننے والی تھی۔ اور کچھ یادیں تو بعض اوقات انسان کیلئے زندگی بھر کی اذیت بن جاتی ہیں۔ اس کی ایک مثال تو عروہ خود تھی۔

oooooooooooooooooooooooooo

"سر وہ انسپکٹر آج کل کچھ ہیکرز کو ڈھونڈنے میں لگا ہے۔" الطاف کے سامنے کھڑے اس کے ایک قریبی ملازم نے اسے اطلاع دی تھی۔

اس دن کے خود سے کیے گئے عہد کی پاسداری کرتے ہوئے اس نے تابش کے پیچھے اپنے اس قریبی ملازم کو لگا دیا تھا۔ جو اسے اس کی پل پل کی خبر لا کر دیتا تھا۔ ان دونوں نے بہت کوشش کی کہ کوئی ایسا موقع مل جائے کہ وہ تابش سے اپنی بے عزتی اور دو بار تھانے لے جا کر تشدد کرنے کا بدلہ لے سکے۔ مگر ابھی تک کوئی ایسا سرا ہاتھ نہیں آیا تھا۔

مگر آج جب اس کے ملازم رؤف نے اسے اطلاع دی تو ایسے لگا کے مہینوں بعد انہیں ایک سرا مل ہی گیا ہے۔

"سر یہ اچھا موقع ہے اس سے بدلہ لینے کا۔ آپ کہیں تو اس کے کام میں رکاوٹیں ڈال دوں۔ جب کوئی ہیکر ہاتھ ہی نہیں لگے گا یا اس کے ہاتھوں سے چھین کر لے جاؤں گا تو آپ سوچ بھی نہیں سکتے کتنی ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا اسے۔" رؤف کے ٹھہر ٹھہر کر کہنے پر الطاف کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری۔

"ہاں۔ صحیح کہہ رہے ہو تم۔ یہ کام اسے اسی ڈی ایس پی نے دیا ہے نا۔ آہ بیچارہ جب شہر کے ایک بھی ہیکر اس کے ہاتھ نہیں لگے گا تو واقعی اس کے اس آئیڈیل کے سامنے کتنی بے عزتی

ہو جائے گی۔" الطاف کو روؤف کا یہ پلان اچھا لگا تھا۔اس نے باخوشی اسے اجازت دی۔

روؤف اجازت ملنے پر تابش کے پیچھے نکل پڑا۔

ooooooooooooooooooooo

جیسے جیسے شام ہوتی گئی ویسے ویسے آسمان پر بادل بکھرتے چلے گئے۔آسمان پر مغرب کی ہلکی سی نیلاہٹ ابھی باقی تھی۔مریم کیفے بند ہونے کے بعد لوکل ٹرانسپورٹ سے گھر جایا کرتی تھی۔لوکل ٹرانسپورٹ پکڑنے کیلئے اسے ڈیفنس ایریا سے باہر پیدل جانا ہوتا تھا۔ویسے تو صلہ اسے اپنی گاڑی میں باہر تک چھوڑ آتی تھی مگر آج وہ کیفے ہی نہیں آئی تھی اس وجہ سے اسے خود ہی باہر تک جانا پڑا۔وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتی ڈیفنس ایریا سے باہر جانے لگی۔آسمان پر موجود بادل گہرے ہوتے چلے گئے۔

ابھی وہ ڈیفنس سے باہر نکلی ہی تھی کہ بارش تھڑا تھڑ برسنے لگی۔وہ جلدی سے ایک بند دکان کا سایہ ڈھونڈ کر وہاں کھڑی ہو گئی۔پانچ منٹ میں ہی بارش نے اسے کافی بھگو دیا تھا۔سیاہ گھنے بالوں کی ایک لٹ اس کے چہرے پر چپک گئی تھی۔وہ سایے میں کھڑی کسی رکشے کا انتظار کرنے لگی۔کچھ دیر بعد ایک رکشہ آتا دکھائی دیا۔مریم اسے روکنے کیلئے آگے کو ہوئی۔بارش کی تھڑا تھڑ برستی بوندیں اسے ایک بار پھر بھگونے لگیں۔اس نے ہاتھ بڑھا کر رکشہ روکنا

چاہا مگر وہ رکشہ سواریوں سے بھرا ہوا تھا۔اس کے ہاتھ ہلانے پر بھی نہیں رکا اور آگے بڑھ گیا۔اس کے بعد بھی تین سے چار اور رکشے گزرے مگر یا تو وہ بھرے ہوتے یا پھر تیز بارش کی وجہ سے بنا رکے ہی آگے نکل جاتے۔

آسمان پر بادلوں کی چھتری نے مغرب کی ہلکی ہلکی نیلاہٹ کو تو ویسے ہی دبا دیا تھا۔سونے پے سہاگہ رات کا اندھیرا ابھی گہرا ہونے لگا تو ہر طرف خوفناک سا اندھیرا چھا گیا۔بادل تو ایسے برس رہے تھے کہ جیسے کبھی تھمنے کا نام ہی نہیں لیں گے۔

"نورالدین خبر پکی ہے نا یہاں مل جائیں گے نا وہ ہیکر۔"تابش نے تڑاتڑ برستی بارش سے بھیگی سڑک پر گاڑی روکتے ہوئے نور سے پوچھا۔اس بات سے بے خبر کے کوئی ہے جو ان کی گاڑی کا پیچھا کر رہا ہے۔

"ہاں جی سر بالکل پکی خبر ہے۔یہ جو چار دکانیں ہیں نا ساتھ میں۔ان میں سے ہی ایک دکان کے اوپر ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے۔وہ کھڑکی اسی ہیکر کے گھر کی ہے۔"نور کی بات پر تابش اپنی طرف موجود ان چار دکانوں کو دیکھنے لگا۔ان کے اوپر بھی ایک منزل ڈلی ہوئی تھی۔اور دوسرے نمبر والی دکان پر ایک چھوٹی سی کھڑکی بھی نمایاں ہو رہی تھی۔تیز بارش کے باعث وہ کھڑکی بند تھی البتہ روشنی کی کچھ کرنیں وہاں سے جھانکتی کسی کے ہونے کا ثبوت دے رہی

تھیں۔تابش نے اس طرف دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔ابھی وہ نظر پھیر کر نور کی طرف دیکھتا کہ بارش سے بھیگے، ہوا سے ٹھٹھرتے کسی وجود نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔ایک لمحے کیلئے اس نے اس طرف دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے اپنی نگاہ پھیر لی۔

"ٹھیک ہے میں چل کر دیکھتا ہوں تم یہیں رکو۔" یہ کہتے ہوئے تابش نے بیک سیٹ پر پڑی اپنی سیاہ چھتری اٹھائی تھی۔پھر گردن کے گرد لپٹے کالے رومال سے اپنا چہرہ ڈھک لیا ایسے کہ اب صرف اس کی آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔دو دکانوں کے بیچ ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔وہ گاڑی سے نکل کر ان کی طرف بڑھا۔سیاہ چھتری اسے بارش سے بچاتی دکانوں کے سائے تک لائی تھی۔وہاں رک کر اس نے وہ دروازہ بجایا اور کھلنے کے انتظار میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تب اس کی نگاہ ایک بار پھر ٹھنڈی ہوا سے ٹھٹھرتے اس وجود پر پڑی جو مسلسل رکشے روکنے کی کوشش میں لگی تھی۔

اس نے نگاہ ایک بار پھر ہٹالی۔دروازہ دو سے تین بار بجایا گیا مگر جواب ندارد۔اس کے یوں دروازہ بجانے کی آواز پر دکان کے سائے میں کھڑی مریم نے اس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ بلیک پینٹ اور بلیک جیکٹ پہنے چہرہ رومال سے ڈھکے وہ شخص اسے کافی پر اسرار سا لگا۔دل میں عجیب سے وہم جگہ گھیرنے لگے۔وہ چند قدم کھسک کر دور جا کھڑی ہوئی۔تابش اس کی

یہ حرکت نوٹ کرتا زیرِ لب ہلکا سا ہنس دیا۔ پولیس کو چور سمجھ کر ڈر رہی تھی بیچاری۔ جب مزید چند لمحے دروازہ نہ کھلا تو اس نے اپنے کندھے سے دروازے پر چند ضربیں ماریں۔ لکڑی کا بوسیدہ حال دروازہ ان ضربوں کی تان نہ لاتے ہوئے ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ مریم نے حیرت سے پھٹی انکھوں سے اسے یہ سب کرتے دیکھا۔ اس ہیبت ناک رات میں اس کی موجودگی اور اس کی حرکات پر وہ واقعی خوفزدہ ہو گئی تھی۔ خوف کے مارے گلا خشک ہونے لگا تھا۔ تیز تنفس کے ساتھ وہ ایک بار پھر جلدی جلدی کال ملانے لگی۔ نا کوئی فون اٹھا رہا تھا اور نہ ہی کوئی رکشہ رک رہا تھا۔ تھڑا تھڑ برستی بارش مسلسل جاری تھی۔

تابش نے وہ دروازہ کھولا تو اندر تنگ سی سیڑھیاں بنی تھیں جو اوپر تک جا رہی تھیں۔ وہ ان پر قدم بڑھانے لگا۔ اوپر والا ایریا رہائشی لگ رہا تھا۔ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد سامنے ہی ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ وہاں گولائی کی صورت بڑے بڑے صوفے رکھے تھے۔ گھر بالکل خاموش تھا۔ کسی انسان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ مگر بتیاں ساری جل رہی تھیں۔ تابش دروازے کی چوکھٹ میں ٹھہر کر مشکوک نگاہوں سے آس پاس دیکھنے لگا۔ تبھی کچھ گرنے کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ وہ فوراً اس آواز کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے بڑھا۔ آوازیں اب بڑھتی جا رہی تھیں۔ ایسے لگا جیسے کچھ لوگ آپس میں جھگڑا کر رہے ہوں۔ وہ ان آوازوں کا پیچھا کرتے گھر

کے آخر تک پہنچ گیا۔وہاں دیکھ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔وہاں ایک اور سیڑھیاں موجود تھیں جو شاید پچھلی گلی میں نکلتی تھیں۔مگر حیرانی اس بات کی نہیں تھی۔ حیرانی اس بات کی تھی کہ وہاں سیڑھیوں پر صائم احمد اپنا خون آلود ماتھا لیے بیٹھا تھا۔تابش نے رومال نیچے کیا اور اس کی طرف بڑھا۔

"سر آپ یہاں ؟اور یہ کیسے ہوا؟" وہ فوراً اس کی طرف بڑھا۔اور اس کے زخم کا معائنہ کرنے لگا۔

"ہاں میں تم دونوں کے پیچھے آیا تھا۔خبر ملی تھی کہ یہاں جانے کے دو راستے ہیں۔مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم دونوں کون سے راستے سے آؤ گے۔اس لیے میں یہاں سے آیا مگر۔" صائم اسے بتاتے ہوئے بیچ میں ہی رک گیا۔

"مگر کیا سر ؟"تابش نے سوال کیا۔

"مگر یہ کہ کچھ لوگ اس لڑکے کو لے گئے ہیں اور یہ زخم بھی انہی نے دیا ہے۔" صائم نے اس کے سر پر بم پھوڑا۔

"کون سر ؟کون لوگ تھے ؟"تابش نے استفسار کیا۔

"معلوم نہیں چہرہ ڈھکا ہوا تھا ان کا۔" اس کی بات پر تابش ماتھا سہلاتا ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ پھر صائم کو اٹھاتے اوپر لایا۔ اس کو صوفے پر بٹھا کر ابھی وہ کچن کی تلاش میں مڑا ہی تھا کہ کسی کو دیکھ چونکا۔

"جونی!" تابش نے سامنے کھڑے شخص کی طرف اشارہ کرتے حیرانی سے پوچھا۔

"جونی نہیں۔ جمی۔ میں جِمی ہوں۔ جونی کا جڑواں۔ مگر تم لوگ کون ہو اور یہاں کیسے؟ اور جونی کدھر ہے۔" جِمی نظر کے چشمے کے پیچھے سے جھانکتی نگاہوں اِدھر اُدھر جونی کو ڈھونڈتے پوچھنے لگا۔ انداز میں حیرانی اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات ہچکولے لے رہے تھے۔

"لے گئے ہیں اسے کچھ لوگ۔" تابش نے بڑے آرام سے کہا جیسے کوئی مسلہ ہی نہ ہو۔

"کون لوگ لے گئے اور کہاں لے گئے ہیں؟" جِمی کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔ ماتھے پر پسینہ ابھرنے لگا۔ تابش بڑے سکون سے جِمی کے پیچھے موجود کچن کی طرف بڑھا۔

"ہمارے ساتھ چلو بتاتے ہیں سب۔" فرج کھول کر پانی کی بوتل نکالتے ہوئے ایک اور بم پھوڑا گیا۔

"کہاں چلنا ہے اور تم لوگ ہو کون؟" جِمی نے پریشانی سے سوال کیا۔

"تھانے چلنا ہے ہمارے ساتھ۔" اور یہ چھوٹا ایک اور بم۔ تابش اب پانی کی بوتل سے پانی گلاس میں انڈیلتا صائم کی طرف بڑھا۔

"تھانے، کیوں جانا ہے؟ ہم نے، کچھ نہیں کیا جو تھانے جانا پڑے؟" اس نے لڑ کھتے انداز میں کہا تو تابش نے مڑ کر ایک آئبرو اٹھا کر اسے گھورا۔

"میں نے کب کہا کہ تم نے کچھ کیا ہے اس لیے تھانے جانا ہے؟ میں تو کہہ رہا تھا کہ تمہارے بھائی کو نا جانے کون لوگ اٹھا لے گئے ہیں اسے بچانے کیلیۓ انوسٹیگیشن تو کرنی ہو گی نا۔"

تابش کے کہنے پر جمی زبردستی کا مسکراتا اثبات میں سر ہلا گیا۔ تابش طنزیہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی اور پھر صائم کی طرف بڑھا گیا۔

oooooooooooooooo

تھوڑی دیر بعد تابش جس دروازے سے گیا تھا وہیں سے واپس آتا دکھا۔ چہرہ پھر ڈھانپ لیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی چھتری کھول کر مڑنے لگا تو غیر ارادی طور پر ایک نگاہ اٹھا کر اس جانب دیکھا جہاں مریم کھڑی تھی۔

وہ ابھی بھی اپنی جگہ پر کھڑی پریشان سی اِدھر اُدھر دیکھنے میں مصروف تھی۔ آدھا گھنٹہ گزرنے کے باوجود ابھی تک نا تو کوئی رکشہ رکا تھا اور نہ ہی کوئی اس کا فون اٹھا رہا تھا۔ تابش کو ایک لمحے کیلئے اس کی حالت پر ترس آیا۔

پھر نظریں موڑتے وہ گاڑی کی طرف بڑھا۔ اسے دیکھ نور نے فوراً دروازہ کھولا تھا مگر وہ اندر بیٹھنے کی بجائے ایسے ہی اس سے مخاطب ہوا۔

"صائم سر پچھلی گلی میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تم ان کے ساتھ جاؤ۔ شاید وہ گاڑی ڈرائیو نہ کر سکیں۔"

اس نے اسے مطلع کیا تو وہ پہلے پہل تو صائم کے نام پر الجھا مگر پھر فوراً یس سر کہتا بیک سیٹ سے اپنی چھتری اٹھانے لگا۔ چھتری لے کر گاڑی سے نکلا اور پچھلی سڑک کی طرف بڑھ گیا۔

اس کے تھوڑا دور جانے کے بعد تابش نے ایک گہری سانس لی اور پھر دور اپنے گرد چادر لپیٹے کھڑی اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ ماتھے پر پریشانی کے بل حد سے زیادہ بڑھ چکے تھے۔

پھر اس نے اپنے ہاتھ میں موجود اس چھتری کو۔ وہ چند لمحے کھڑا لب کاٹتا رہا پھر ہمت کرتے اس طرف بڑھا۔

مریم اب کہ بے بس سی موبائل کو گھور رہی تھی۔آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے۔طوفانی رات میں اس تاریک سڑک پر وہ بالکل تنہا کھڑی تھی۔ سڑک پر لگی چند پولز کی روشنی نے اس سڑک کو روشن کرر کھا تھا۔ مگر پھر بھی اس خوفناک رات کا اثر ذہن کو مختل کرر ہا تھا

بارش کی رفتار میں ابھی تک کوئی کمی نہیں آئی تھی۔اس کی آنکھ سے ایک آنسو گال پر پھسلا۔ تبھی اسے خود پر کسی چیز کا سایہ محسوس ہوا۔اس نے فوراً سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو وہ ایک کالی چھتری تھی جو اس سے اپنے محفوظ سائے میں لے چکی تھی۔ نظر پھسلتی ہوئی اس چھتری پکڑے وجود کی طرف گئی۔کلائی پر پہنی سلور واچ، کالی جیکٹ اور پھر نگاہ اس کے چہرے پر آکر ٹکی تھی۔اور صحیح معنوں میں اس کا دماغ جھنجھنا اٹھا تھا۔جس شخص سے ڈرتی وہ آنسو بہانے کو تیار تھی وہی شخص کسی سائبان کی طرح اس پر چھتری تانے کھڑا تھا۔کالے رومال سے چہرہ چھپا ہوا تھا۔صرف سیاہ آنکھیں ہی تھیں جو دکھائی دے رہی تھیں۔ماتھے پر بکھرے سیاہ بال اسے جاذبِ نظر بنا رہے تھے۔

آنسوؤں سے لبریز آنکھوں نے ڈھیروں خوف اپنے اندر سموئے اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھا تھا۔

آسمان پر بادل زور سے گرجا تھا۔ بجلی کی چمک ابھری اور اس کی آنکھوں میں موجود آنسوؤں کے قطرے موتی کی طرح چمکے۔ یہ منظر سیاہ آنکھوں نے اپنے ذہن کے نہاں خانے میں قید کیا تھا۔ پھر اگلے ہی پل وہ پلکوں کی باڑ گراتا نگاہیں جھکا گیا۔

"ایسی طوفانی طوفانی میں یہاں سنسان سڑک پر کھڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔" مدھم سے لہجے میں کہا گیا۔ مریم کے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے۔ خوف بری طرح حاوی ہونے لگا۔

"مجھے، مجھے معلوم ہے۔ میں بس جا رہی تھی۔ اس نے گھبراتے ہوئے یہ الفاظ ادا کیے۔ پھر اگلے ہی پل کانپتے پیروں کے ساتھ مڑی اور تیز تیز قدم اٹھاتی جانے لگی۔

تابش خاموش سا اس کے پیچھے چل دیا۔ مریم کو اپنے پیچھے اس کے قدموں کی آہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

دھڑکتے دل کے ساتھ آیت الکرسی کا ورد کرتے وہ آگے بڑھتی گئی۔ اب کہ وہ دکانوں کے سائے سے نکل کر سڑک پر پہنچ گئی تھی۔ اس سے پہلے کے بارش اسے بھگونے لگتی تابش اسے اپنی چھتری کے سائے میں لے لیا۔ جیسے کوئی محافظ اپنی قیمتی چیز کی حفاظت کر رہا ہو۔

جیسے کوئی سائباں

Clubb of Quality Content!

اس کے یوں چھتری کا سایہ کرنے پر مریم اچانک ہی رک کر مڑی تھی۔تابش نے اس کے یوں رکنے پر چونک کر اس کی جانب دیکھا۔دونوں کی نگاہیں ملیں۔مریم کی آنکھوں میں ڈھیروں آنسوؤں کے ساتھ غصہ تھا۔سیاہ آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"میرا پیچھا مت کرو۔" بے بسی سے ایک جملہ ادا کیا گیا۔تابش کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔وہ تو اسے حفاظت دے رہا تھا اور وہ اسے نا جانے کیا سمجھ رہی تھی۔

"میں۔۔۔"اس نے کچھ کہنے کیلئے لب کھولے پھر خاموش ہو گیا۔ایک سانس بھر کر پھر کہنا شروع کیا۔

"دیکھیں آپ نے اگر پیدل گھر جانا ہوتا تو آپ کب کی جا چکی ہوتیں۔میں جانتا ہوں کہ آپ کسی ٹرانسپورٹ کے انتظار میں ہیں۔"وہ غصے اور پریشانی سے اسے دیکھے گئی۔

"اس موسم میں آپ کو کوئی ٹرانسپورٹ نہیں ملے گا اور یوں اکیلے جانا سیو نہیں ہے۔"تابش نے اسے سمجھانا چاہا۔

"تو یہ آپ کا مسلہ نہیں ہے۔"مریم رندھی آواز میں بولی۔پہلے تو وہ سر جھکا گیا۔سمجھ نہیں آیا کیا بولے۔

پھر کچھ دیر بعد اس کی مدھم آواز مریم کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو لفٹ دے سکتا ہوں۔" تابش کو خود بھی سمجھ نہیں آیا کہ اس نے یہ جملہ کیسے ادا کر دیا۔ یہ کہتے ساتھ ہی وہ اپنا سر کھجانے لگا اور مریم نم آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھنے لگی۔

"اور میں آپ سے لفٹ کیوں لوں؟ کیا آپ کوئی ڈرائیور ہیں؟ حلیے سے تو چور اچکے لگ رہے ہیں۔" اس کا اشارہ تابش کے نقاب چڑھائے حلیے اور کچھ دیر پہلے کی گئی اس حرکت کی طرف تھا۔

"تو آپ مجھے ڈرائیور سمجھ لیں اور میری اس پرانی مہران کو ٹیکسی۔" آخری بات نظر انداز کر کے پُر خلوص مشورہ دیا گیا۔

"مگر سواری تو کہیں نظر نہیں آ رہی۔" طنز کیا گیا۔

"سواری آپ بن جائیں۔" پر سکون انداز میں کہا گیا۔ وہ چند لمحے دانت پر دانت جمائے اسے دیکھتی رہی۔ پھر غصے سے بولی۔

"آپ جائیں پلیز یہاں سے۔" یہ کہتے ہی وہ جانے کیلئے مڑی۔

"رکیں۔" تابش نے پیچھے سے آواز لگائی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کے قدم تھمے اور مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ خود بارش میں بھیگتا چھتری اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔

"یہ لے لیں۔ موسم بدل رہا ہے بارش میں بھیگیں گی تو ٹھنڈ لگ جائے گی۔" مریم چند لمحے عجیب کشمکش میں گھری کھڑی رہی پھر دو قدم اس کی طرف بڑھائے۔ بارش کے قطرے فضاء میں معلق ہو کر یہ منظر دیکھنے لگے۔ مریم نے اس کے ہاتھ سے وہ چھتری تھامی۔ ایک بار پھر نظریں ملیں۔ فضائیں جھومی اٹھیں اور بارش کے معلق قطروں نے آپس میں سرگوشی کی۔

"کیا یہ آغازِ محبت ہے؟"

فضاؤں نے پرجوش ہو کر ان کے کانوں میں کچھ الفاظ پھونکے۔

"ہاں یہ آغاز ہے ایک نئی داستان کا۔"

مریم نے چھتری تھامی تو تابش نے فوراً اپنے ہاتھ پیچھے کر لیے۔ معلق قطرے حرکت میں آئے اور زمین بوس ہو گئے۔ ہوا ان دونوں سے ٹکراتی آگے بڑھ گئی۔

اس کے بعد تابش بنا ایک بھی نگاہ اس پر ڈالے مڑ گیا۔ وہ تھرتھراتی بارش میں اسے جاتا دیکھتی رہی۔ چند لمحوں بعد وہ پرانی مہران میں بیٹھ کر گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

اور وہ اس برستی بارش میں اکیلی کھڑی رہ گئی۔

ابھی دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ پرانی مہران ایک بار پھر اس کے سامنے آکر رکی۔

شیشہ نیچے کر کے رومال سے جھانکتی آنکھوں نے مسکرا کر دیکھا۔

مریم نے تیوری سوالیہ آبرو اُچکا کر اس سے واپس آنے کی وجہ پوچھی۔

"یہ رہی سواری۔اب تو آپ آسکتی ہیں۔ان کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی آپ کے گھر ڈراپ کر دوں گا۔" وہ اسے حفاظت سے گھر پہنچانے کی خاطر سچ میں پولیس والے سے ڈرائیور بن گیا تھا۔مریم نے پہلے پیچھے بیٹھی ایک فربہ سی بزرگ خاتون اور ان کی بیٹی کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں بھی شاید کافی وقت سے بارش میں بھیگتی رہی تھیں۔مریم چند لمحے اس کشمکش میں کھڑی رہی کہ جائے یا نہیں۔مگر یہ نا تھمتی طوفانی بارش اور اسی بناپر سنسان ہوئی سڑک۔ یہاں اکیلے کھڑے رہنے کے ڈر سے وہ فیصلہ کرتی اللہ کا نام لیتی گاڑی کی طرف بڑھی۔تابش نے اس کے لیے فرنٹ ڈور کھولا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔دل میں کچھ ڈر تو تھا ہی کہ اگر ماما کو پتا چلا تو وہ تماشا لگائیں گی مگر نا جانے کیوں دل میں سکون سا اترا تھا۔ایسے جیسے کسی محفوظ پناہگاہ تلے آگئی ہو۔اس کے بیٹھتے ہی وہ اپنی پرانی مہران آگے بڑھا لے گیا۔انھیں جاتا دیکھ

فضاؤں نے برستے قطروں کو مسکراہٹ سجائے دیکھا تھا۔ کوئی سندیسہ سنایا تھا۔ کوئی اشارہ دیا تھا۔ اپنی بات کی یقین دہانی کروائی تھی۔

oooooooooooooooo

عروہ اس وقت ریشم کی حسین بلیک ساڑھی میں ملبوس کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ وہ اپنی نازک کلائی میں بریسلٹ پہن کر خود کو آئینے میں ایک آخری نظر دیکھنے لگی۔ میکال بلیک پینٹ کوٹ میں ملبوس عروہ کے ساتھ آکر کھڑا ہوا۔ بازوؤں کے کف لنکس بند کرتے اس نے سراہتی نگاہوں سے عروہ کو دیکھا جو شیشے میں خود کا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی۔ لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ آئینے نے سو باران کی بلائیں لی تھیں۔ ان کے آس پاس چلتی ہوا نہ دو لمحے کیلئے ساکن ہو کر ان کیلئے ساری زندگی کی خوشیاں مانگی تھیں مگر کاش! کاش کہ وہ ساری زندگی کا ساتھ مانگ لیتیں کیونکہ زندگی میں خوشی اور غم تو آتے جاتے رہتے ہیں مگر اصل چیز تو ہر قسم کے حالات میں ساتھ نبھانا ہوتی ہے۔

چلیں۔ میکال کی سراہتی نگاہیں اب بھی اسی پر جمی تھیں۔ اب عروہ ڈریسنگ ٹیبل پر سے کچھ ڈھونڈنے میں مگن تھی۔

ہاں۔ عروہ کی آواز میں خوشی کی کھنک واضح سنی جاسکتی تھی۔

"کیا بات ہے بھئی آج تو بڑی خوش ہیں آپ؟" میکال نے مسکراتے لبوں کے ساتھ کہا۔ دل میں سکون بڑھتا چلا گیا۔

"ہاں۔ "یوں لگ رہا ہے جیسے زندگی آسان ہونے والی ہے۔" اس نے مسکراتے چہرے کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ اس کی بات پر وہ بھی مسکرایا تھا۔

"اگر تم روز یوں ہی مسکراتی رہو تو زندگی واقعی بہت آسان ہو جائے گی عروہ۔" میکال نے اس کے بازوؤں پر دونوں ہاتھ جماتے بڑی چاہ سے کہا تھا۔ عروہ بھی مسکرادی۔

"لگ رہا ہے جیسے سب کچھ ٹھیک ہونے جا رہا ہے۔ ایسے جیسے سالوں سے خلا میں بھٹکتے مسافر کو ایک منزل ملنے جا رہی ہے۔" عروہ کسی جذب کے عالم میں کہنے لگی۔

مجھے لگ رہا ہے کہ تم زندگی کی طرف واپس لوٹ رہی ہو۔ یہ مثبت سوچ، یہ کھلتا چہرہ۔ میری عروہ مجھے واپس ملتی دکھائی دے رہی ہے۔ میکال کی بات پر وہ ہنس دی۔

"اب آپ اپنی سائیکی چھوڑیں ڈاکٹر صاحب اور چلیں جلدی۔ پہلے ہی موسم خراب ہونے کی وجہ سے اتنے لیٹ ہو گئے ہیں ہم۔" عروہ نے اس کے کندھے پر ہلکی سی دھپ لگاتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کی طرف مڑا۔ بال بنا کر اس نے بیڈ پر سلیقے سے پڑا کوٹ اٹھا

کر پہنا۔ عروہ اب صوفے پر بیٹھی سینڈل پہن رہی تھی۔ جلدی جلدی تیاری نمٹاتے دونوں باہر کی طرف بڑھے۔

پانچ منٹ بعد ان کی گاڑی مین گیٹ پار کرتی نظر آئی۔ دس منٹ کی مسافت کے بعد وہ اپنی منزل کو پہنچ گئے۔ ہر منزل کامیابی کی نہیں ہوتی کچھ منزلیں بربادی کی ہوتی ہیں۔ انسان کا سب کچھ چھین کر اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتی ہیں۔ نا جانے یہ منزل ان کی زندگی میں کیا رنگ لانے والی تھی۔

"چلیں۔" میکال نے حیرت سے آنکھیں پھیلائے بیٹھی عروہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ عروہ کی آنکھیں سامنے کے منظر پر جمی تھیں۔ سامنے فیری ٹریول سپاٹ تھا۔ حیران آنکھوں نے سامنے کے منظر سے نیلی آنکھوں تک کا سفر کیا تھا۔ عروہ کی حیران آنکھوں میں اب کہ خوشی کے دیے جگمگا رہے تھے۔

"کیسا لگا سرپرائز؟" سیاہ آنکھوں کی جھلملاہٹ سے نیلی آنکھیں بھی روشن ہوئی تھیں۔

"بہت، بہت خوبصورت۔ آپ کے سرپرائز ہمیشہ خوبصورت ہوتے ہیں۔" پورے دل سے تعریف کی گئی۔

"خوبصورت لوگوں کیلئے خوبصورت سرپرائز۔" میکال کی بات پر عروہ جھینپ کر ہنس دی۔

ذہن کے پردے پر کوئی منظر پورے زور و شور سے لہرایا تھا۔

ان کی زندگی کے سب سے یادگار پل۔ سمندر کی خوبصورت لہریں۔ بحیرہ عرب کے پانیوں میں چلتی سفید دلکش فیری۔ اس کے سب سے اوپری ڈیک پر موجود وہ دونوں۔

"کن یو بی مائے وائف۔" وہ ایک گھٹنا فیری کے فرش پر ٹکائے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں ایک سرخ گلاب تھامے وہ عروہ کے جواب کا منتظر تھا۔ اس نے سیاہ آنکھوں میں حیرت ابھرتے دیکھی۔ پھر خوشی اور پھر نمی۔

وہاں کھڑے سب ہی لوگ رشک کی نگاہوں سے عروہ کو دیکھ رہے تھے۔ ہر آنکھ اس کے جواب کی منتظر تھی۔ اور پھر اس نے حیرت و خوشی سے جھلملاتی آنکھوں کے ساتھ سر کو اقرار میں ہلایا۔ میکال کی آنکھیں بھی جگمگا اٹھیں۔ وہاں کھڑے سب لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ بکھری۔

عروہ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کے ہاتھ سے گلاب اچک لیا۔ تالیوں کی آواز سے بحیرہ عرب گونج اٹھا۔

"یہ بہت خوبصورت ہے۔" عروہ کو سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے اسی لیے پھول پر تجزیہ کر دیا۔

"خوبصورت لوگوں کیلیئے خوبصورت پھول۔" میکال کی بات پر وہ تب بھی جھینپ کر مسکرا دی تھی۔

آج بھی اس کی آنکھوں میں ویسی ہی خوشی جگمگا رہی تھی۔ سرپرائز یقیناً پسند آیا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے سنگ قدم بڑھاتے ساحلِ سمندر پر آگے بڑھنے لگے۔ ہوا کے دوش پر عروہ کی سیاہ ریشمی ساڑھی کا پلو اُڑھ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہونے والی تیز بارش کے سبب ہوا میں خنکی سی پھیل گئی تھی۔ موسم بے حد خوشگوار ہو گیا تھا۔

آج عروہ کے چہرے پر الگ ہی مسکان کھلی تھی۔ خوشی اس کے ہر الفاظ وادا کے ساتھ بہہ رہی تھی۔ وہ یوں مسکراتی ہوئی میکال کو نئ زندگی بخش رہی تھی۔ آج وہ مسکرا رہی تھی تو فضائیں، سمندر، لہریں، چاند، ستارے غرضیکہ ہر شہ اس کے ساتھ مسکراتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دونوں اس وقت ولیج کے ایریا میں موجود فیری سروس کی طرف آئے تھے۔ منزل ان کی چرنا آئی لینڈ تھی۔ سفید خوبصورت فیری ان لوگوں کو سمندر کے پانیوں میں اتارنے کیلیئے بالکل تیار کھڑی تھی۔ عملے سے بات کرنے کے بعد وہ عروہ کا مخروطی ہاتھ تھامے فیری کی طرف بڑھا۔

فیری تین ڈیک پر مشتمل تھی۔لوئر ڈیک پر ڈنر کا انتظام کیا گیا تھا۔سمندر کے نیلے پانی میں تیرتی فیری اور اس میں شاہی طرز میں سجی ٹیبلز بے حد حسین نظارہ پیش کر رہی تھیں۔ساتھ ہی ہلکا سا موسیقی ماحول کو الگ ہی خوشگواری بخش رہا تھا۔مڈل ڈیک وہ جگہ تھی جہاں لوگ چہل قدمی کر رہے تھے۔باتوں میں مصروف دوست احباب ادھر سے ادھر جاتے فیری کے چلنے کے انتظار میں تھے۔اور اس کے بعد آتا تھا اپر ڈیک یا ٹاپ ڈیک،سب سے خوبصورت اور من کو بھاتی حسین جگہ۔یہ وہ جگہ تھی جہاں سے کھلا ستاروں بھرا آسمان دکھائی دیتا تھا اور نیچے گہرا نیلا سمندر۔بہت سے لوگ یہاں کھڑے ہو کر سیلفیز لے رہے تھے تو کچھ کھلی فضاء کو سانسوں کے ذریعے اپنے اندر انڈیل رہے تھے۔یہاں لوہے کی گرل سے حفاظتی انتظام کیا گیا تھا۔بارش کے باعث پھسلن سی ہو گئی تھی۔

عروہ اور میکال اس وقت لوئر ڈیک میں موجود تھے۔فیری کے چلنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔اور اس کے بعد چرنا تک جانے میں 40-45 منٹ لگنے تھے۔اور ان چالیس منٹوں میں کسی کی پوری زندگی بدلنے والی تھی۔

وہ دونوں اپنی ٹیبل پر آکر بیٹھے تو کھانا سرو کیا گیا۔ہلکا ہلکا موسیقی،زرد روشنیوں میں شاہی طرز کا یہ ایریا اور ایک دوسرے کے سنگ وہ دونوں،ہر چیز مکمل تھی۔

فیری چل پڑی چرنا کی جانب، ایک نئی منزل کی جانب، ایک نئے آغاز کی جانب۔

کھانے کے بعد وہ دونوں مڈل ڈیک سے ہوتے ہوئے ٹاپ ڈیک پر پہنچ گئے۔

عروہ کی سیاہ ساڑھی کا پلو ہوا کے دوش پر ہلتا آج اس کی خوشی میں شریک تھا۔ سیاہ بال اڑھ اڑھ کر اس کے چہرے پر آرہے تھے۔ جنھیں وہ اپنی مخروطی انگلیوں سے بار بار کان کے پیچھے اڑس رہی تھی۔

"یہ وہی جگہ ہے جہاں سے ہم نے اپنی زندگی کی شروعات کی تھی۔" میکال نے کسی حسین خیال کے زیرِاثر کہا۔ وہ دونوں اس وقت فیری کے دائیں جانب لگی گرل کے پاس آ کھڑے ہوئے۔

"ہاں! اور ہم نے ساتھ میں اس فیری پر چرنا تک کا سفر کیا تھا۔" وہ یادگار لمحات اس کے ذہن میں بھی واضح ہونے لگے۔

"ایک یادگار سفر۔" میکال نے اضافی کیا۔ ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر ظاہر ہوئی۔ عروہ بھی مسکرائی تھی۔

"جانتے ہیں جب، میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا تو کیا سوچا تھا؟" عروہ کے کہنے پر وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ بلآخر اتنے عرصے بعد وہ اس سے خود سے باتیں کرنے لگی تھی۔

کیا سوچا تھا؟ فوراً پوچھا گیا۔

"میں نے سوچا تھا کہ کتنا کھڑوس انسان ہے۔" عروہ کے یوں کہنے پر میکال بلا اختیار ہنس دیا۔ عروہ بھی ہنس دی۔

"واقعی۔ تب آپ اتنا ریوڈلی کسی سے فون پر بات کر رہے تھے۔ اور پھر جب ایک ویٹر نے آپ کو کافی لا کر دی تھی۔ تو آپ نے اسے بھی کتنی سختی سے جھاڑ دیا تھا۔" وہ اسے گھورتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ پھر دفعتاً اس کی آنکھوں میں نرمی سی ابھری۔

"مگر پھر وقت کے ساتھ ساتھ سب بدل گیا۔ سارے تاثر بدلتے چلے گئے۔" لہجہ مدھم ہوا۔ فیری کی گرل کو دونوں ہاتھوں سے تھامے کھڑا وہ شخص اس ہر منظر سے بے نیاز صرف ایک انسان کو دیکھنے میں مصروف تھا۔ تیز ہوا کے باعث اس کی سیاہ شرٹ پھڑ پھڑا رہی تھی۔ بال ماتھے پر بکھر چکے تھے۔ اور وہ نیلی آنکھیں ان سیاہ آنکھوں کو دیکھنے میں مصروف تھیں۔

"پہلے میں نے آپ کو محبت کرنے والا جانا، پھر ایک حساس انسان کا تاثر بنا اور اس کے بعد ہر چیز سے بڑا، ہر شے سے بالاتاثر، احساس کا تاثر ابھرا۔" وہ اب بھی کہہ رہی تھی۔ اس بات کے ساتھ سیاہ آنکھوں میں نمی ابھری تھی۔ ویرانی ڈیرے ڈالنے لگی۔ میکال آگے بڑھا اور اسے کندھوں سے تھامے خود سے لگایا۔

"تم میری بیوی ہو۔ میرا اس دنیا میں واحد رشتہ۔ تمہارا احساس کرنا، تم سے محبت کرنا میرا فرض ہے۔ اور فرض اگر تم سے جڑا ہو تو میں سب سے بڑا فرض شناس بننا چاہوں گا۔" اس کی بات پر وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرادی۔

"اور ویسے بھی میں ہمیشہ سے ریوڈ ہی تھا اور وہی ہوں۔ یہ تو بس تم ہو جس کے لیے میرے دل میں صرف محبت ہی محبت ہے۔" اس کے یوں کہنے پر عروہ جھینپ کر مسکرادی۔

"اچھا آپ بتائیں۔ آپ کے ذہن میں پہلا تاثر کیا ابھرا تھا؟" چند لمحوں بعد وہ اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے پوچھنے لگی۔ آج اس کا مزاج واقعی بہت الگ تھا۔ ایسے جیسے ہر بات جان لینا چاہتی ہو۔ ایسے جیسے کہیں کچھ اُدھورا نہ رہ جائے۔

"میں نے جب تمہیں دیکھا تھا تو تم اسی سمندر کے ساحل پر گول گپے کھانے کی ضد کر رہی تھیں اور انکل آنٹی تمہیں روکنے کی بھرپور کوشش۔" عروہ ہنس دی۔ وہ اسے یہ بات پہلے بھی کافی بار بتا چکا تھا۔

"یہ تو میں جانتی ہوں آپ یہ بتائیں آپ نے سوچا کیا تھا؟" عروہ کے کہنے پر وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر وہ الفاظ ادا کیے کہ جنھیں چرنا کے پانیوں نے صدیوں کیلئے اپنے اندر محفوظ کر لیا۔

"صرف ایک ہی تاثر ابھرا تھا اور وہ یہ کہ تم میری ہو۔ تمہاری یہ سیاہ آنکھیں مجھے زندگی بخشتی ہیں۔" اس بات پر سیاہ آنکھوں کی چمک مزید بڑھ گئی۔ نیلی آنکھوں نے ہر منظر اپنے اندر محفوظ کیا اور پھر یہ لمحات گزر گئے۔ لمحوں کو تو گزرنا ہی ہوتا ہے اگر بچتی ہیں تو صرف یادیں۔

اگلے لمحے سیاہ آنکھوں کے تاثرات بدلے تھے۔ چمک کی جگہ الجھن، الجھن کی جگہ کرب اور پھر نمی جگمگائی تھی۔

"کیا ہوا عروہ؟ سب ٹھیک ہے؟" میکال نے پل میں بدلتے اس کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ مگر عروہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں دور ٹاپ ڈیک کے آخری کنارے پر جمی تھیں۔ اس کا تنفس بڑھنے لگا تھا۔

"عفان۔" ذہن پر ہیلو سینیشن کا وار ہوا تھا اور بہت برے وقت پر ہوا تھا۔ اس کے لب ہلے تھے مگر آواز بر آمد نہیں ہوئی۔

"عروہ تم ٹھیک ہو۔" میکال نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑا۔ مگر وہ اسے نہیں سن رہی تھی۔ اس کی نگاہیں ایک ہی جگہ جم کر رہ گئی تھیں۔

اسے اپنے تخیل میں ایک بچہ وہاں کھڑا نظر آ رہا تھا۔ دونوں باہیں اس کی سامنے پھیلائے، اسے اپنی جانب بلاتا ہوا۔ عروہ نے اس طرف بڑھنے کیلئے قدم اٹھائے کہ میکال نے اسے کے کندھوں پر زور ڈال کر اسے روکا۔

"کیا ہوا ہے؟ وہاں کیا دیکھ رہی ہو؟ ادھر دیکھو میری طرف۔ اس طرف مت دیکھو۔ کوئی نہیں ہے وہاں پر، اوکے۔" وہ جیسے اس کی حالت سمجھتا اسے روکنے لگا۔ ہیلو سینیشن کو توڑنے کی کوشش کی گئی۔ عروہ کبھی نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھتی مگر اگلے ہی لمحے پریشان سی نگاہ دوبارہ وہیں جم جاتی۔ اس آخری کنارے کی طرف۔ میکال نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ جو اس وقت سرد پڑنے لگے تھے۔

"مجھے اندھیرے سے بہت ڈر لگتا ہے ماما۔" ڈیک کے آخری کنارے پر کھڑا وہ بچہ بھیگی آنکھوں سے کہہ رہا

تھا۔

اور پھر قدم پیچھے کی جانب لینے لگا۔ایک قدم،دو قدم، تین قدم۔اس کے پیچھے بڑھتے ہر قدم کے ساتھ عروہ کی آنکھیں خوف سے پھیلنے لگیں۔

اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ میکال کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑوائے اور عفان کے تخیل کی طرف بھاگی۔

میکال نے اگلے ہی لمحے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہے تھے۔اسے روکنا کیلئے تھامنے کی کوشش کرنی چاہی۔ مگر ہاتھ اب چھوٹ چکا تھا۔اور شاید ساتھ بھی۔

"عروہ۔"خوف سے ایک پکار اس کے حلق سے برآمد ہوئی تھی اور وہ خود بھی اس کے پیچھے لپکا۔وہاں موجود لوگوں نے مڑ کر ان کی جانب دیکھا۔

عروہ کے تخیل میں بنتا وہ بچہ اب روتے ہوئے ڈیک کی گرل سے جا لگا تھا۔

"مجھے اندھیرے سے بہت ڈر لگتا ہے ماما۔"

عروہ خوف کے عالم میں بھاگتی اسے تھامنے کیلئے اس آخری کنارے پر پہنچی۔پھر ایک قدم، اور بس۔۔۔

اس کا پاؤں پھسلا تھا۔میکال کی آنکھیں پھیلیں۔قدموں میں مزید تیزی آئی۔مگر پھر بھی دیر ہو گئی۔لوگوں کی چیخیں برآمد ہوئیں اور وہ اپنے تخیل کے عفان کے ساتھ چرنا کی گہرائیوں میں ڈوبتی چلی گئی۔میکال نے آخری لمحے پر اسے تھامنے کی کوشش کی تھی اور اسی اثناء میں اس کی ساڑھی کا پلو اس کی پہلی دو انگلیوں کو چھو کر اس کے آخری لمس کو امر کر گیا۔سب لوگ اس طرف دوڑے تھے۔اسے بچا لینے کی کوشش میں وہ گرل سے نیچے چھلانگ لگانے لگا کہ وہاں موجود لوگوں نے اسے تھام لیا۔

"عروہ!"اس نے پوری جان لگا کر اس کا نام پکارا تھا۔چیخنے کے باعث گردن کے رگیں واضح ہونے لگی تھیں۔

"عروہ!"ایک بار،دو بار، تین بار۔وہ مسلسل دیوانہ وار اس کا نام پکارتا رہ گیا اور وہ چرنا کے پانیوں میں ہمیشہ کیلئے فنا ہو کر رہ گئی۔

میکال کی کانپتی گرجدار آواز سمندر کی گہرائیوں تک جاتی مگر بدلے میں صرف خاموشی ہی لوٹتی۔

"کچھ کرو، عملے کو بلاؤ۔ایک لڑکی سمندر میں گر گئی ہے۔کوئی آؤ جلدی۔"لوگ چیختے چلاتے عملے کو پکارنے لگے۔ مگر وہ صرف اسے پکارتا اس کے پیچھے جانے کیلئے خود کو آزاد کرانے میں لگا تھا۔

عملہ آیا اور تین سے چار لوگ سمندر میں غوطہ لگا گئے۔وہ گرل کو تھامے برستی نینوں کے ساتھ اس گہرے نیلے سمندر کو دیکھتا رہا۔دل کی رفتار ایسی تھی کہ جیسے اگلی دھڑکن کے ساتھ پھٹ جائے گا۔ سمندر میں ہوتی ہلکی سی حرکت پر بھی امید، خوف،اور ڈر نیلی آنکھوں میں ابھرتا تھا۔اس کے مل جانے کی امید، اسے کھو دینے کا خوف اور اس کے دور چلے جانے کا ڈر۔ اس ایک گھنٹے کا ایک ایک لمحہ قیامت کی طرح بیتا تھا اس پر۔ ہر لمحہ انتظار کی آگ میں جھلسا تھا وہ۔اور اس کے بعد انتظار ختم ہوا۔امیدیں کرچی کرچی ہوئیں اور ڈر و خوف نے دل کو جکڑ لیا۔جب عملے کے چاروں آدمی خالی ہاتھ سمندر کی گہرائیوں سے واپس لوٹے۔ عملے کا ایک آدمی اس کی طرف بڑھا۔

"ہمیں بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہم انہیں نہیں ڈھونڈ سکے۔"میکال نے کرب ذدہ نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔دل کیا کہ اس شخص کو بھی اسی چرنا کے پانیوں میں ڈوبا دے۔ مگر وہ بے بس سا ضبط کر گیا۔

"سمندر بہت گہرا ہے اور پانی کا بہاؤ بھی زیادہ ہے۔اب تک تو وہ نا جانے کہاں سے کہاں جا چکی ہوں گی۔"اس نے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔

"ہم نے آفس بات کی ہے۔کچھ اور عملہ آرہا ہے اس طرف۔اگر قسمت اچھی ہوئی تو صبح تک ان کی ڈیڈ بوڈی مل جائے گی۔"ڈیڈ بوڈی،اس لفظ پر میکال نے آتش بار آنکھوں سے اسے گھورا۔

کچھ لمحے پہلے وہ اس کی عروہ تھی اور اب چند لمحوں میں ہی وہ ڈیڈ بوڈی بن چکی تھی۔

وہ آدمی تاسف سے اس کا کندھا تھپتھپا کر آگے بڑھ گیا۔اب وہ فیری کو واپس ساحل کنارے لے جانے کا کہہ رہا تھا۔وہ خالی الذہنی کی حالت میں سب دیکھتا رہا۔وہاں کھڑے سب لوگ اسے تاسف بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔وہ ان سب سے گردن موڑے وہیں اس سمندر کی گہرائیوں میں دیکھنے لگا۔

نیلی آنکھوں سے آنسو کی چند بوندیں ٹپکیں اور اس گہرے پانی میں گم ہو گئیں۔چرنا کا پانی اس کی عروہ کو نگل گیا تھا۔

"تو تم چلی گئیں نا مجھے چھوڑ کر۔"دل ہی دل میں بے آواز سا شکوہ کیا گیا۔

"عفان کے پاس۔" کرب سے حلق میں گرہیں سی باندھنے لگیں۔اشک مسلسل بہہ رہے تھے۔چرنا کے پانیوں نے اسے محبت سے روشناس کرایا تھااور پھر چرنا کے پانیوں نے ہی اس سے اس کی محبت چھین لی تھی۔

فیری کو واپس موڑا گیااور واپسی کا سفر شروع ہوا۔جہاں ابھی چند لمحے پہلے یہ سب حسین مناظر ان کی خوشی میں جھومتے نظر آرہے تھے۔اب تعفن زدہ سے ہو گئے تھے۔ٹھنڈی تیز ہواوؤں میں تعفن کی بو پھیل گئی تھی۔آج کی رات کسی کی محبت کا آغاز ہوا تھاتو کسی کی محبت کا اختتام۔مگر ہر اختتام آغاز ہوتا ہے ایک نئی شروعات کا۔

فیری واپس ساحل تک پہنچی۔خوش گپیوں سے شروع ہونے والا یہ سفر کسی کی ساری زندگی کا روگ بن کر رہ گیا۔

ایک ایک کر کے ہر کوئی فیری سے اترتا چلا گیا سوائے اس ایک شخص کے۔وہ ابھی بھی وہیں ٹاپ ڈیک کے کنارے کھڑا سمندر کی گہرائیوں سے بے آواز بنا لب ہلائے باتیں کرتا رہا۔ آنسوؤں سے اس ظالم سمندر کے ظلم پر ماتم کرتا رہا۔عملہ بہت منتوں کے بعد اسے وہاں سے اتارنے میں کامیاب ہوا تھا۔اب وہ فیری سے اترتا ساحل کی ریت پر قدم دھرتا آگے بڑھنے

Clubb of Quality Content

لگا۔ پہلے جن راہوں پر عروہ کے ساتھ قدم بڑھائے تھے اب وہاں تنہا قدم بڑھانا ایسا تھا کہ جیسے اپنے دل کی کرچیوں کو کچلتا آگے بڑھ رہا ہو۔

دور سے کوئی اسے دیکھتا تو یوں معلوم ہوتا جیسے کوئی دیوانہ ہو جو اپنا سب کچھ ہار بیٹھا ہو۔

وہ چلتے چلتے سمندر کنارے پہنچ گیا۔ لہریں اس کے مہنگے جوتوں کو گیلا کرتیں واپس لوٹ جاتیں۔ کتنا وقت بیتا، کتنے لمحے گزرے۔ وہ بے جان نگاہوں سے بحیرہ عرب کو دیکھتا رہا۔

اس کی عروہ اس سمندر میں تھی اور وہ ساحل پر بے بس کھڑا صرف ماتم کر رہا تھا۔

کہاں جائے؟ کس سے کہے؟ کیا کرے؟ سب سوالوں کا ایک ہی جواب آتا کہ لمحے بیت چکے ہیں۔ ہر چیز بے سود ہے۔ ہر عمل ناکارہ۔

عروہ جا چکی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔

"عروہ!" وہ چیخا تھا۔ پوری طاقت کے ساتھ۔ اور پھر چیختا ہی چلا گیا۔ چرنا کے ظالم پانیوں نے اس کی ہر آواز، ہر پکار بھی نگل لی۔

چیخ چیخ کر اس کا گلا درد کرنے لگا تھا چہرہ خطرناک حد تک سرخ پڑ گیا۔ اور پھر وہ ہار گیا۔ تقدیر کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا۔ گھٹنوں کے بل چرنا کے پانیوں کے سامنے گر سا گیا۔

"میری عروہ!" ہارنے کے انداز میں اس کے لبوں سے اب بھی اس کے نام کی پکار جاری تھی۔ عروہ، میری عروہ۔۔۔۔

وہ مغرور شہزادہ اپنی عروہ کیلئے تڑپتا رہ گیا۔

چاند ساری رات اس کے ماتم پر افسردہ اب اپنی جگہ سورج کو تھما گیا۔ مگر وہ شخص اب بھی ساحل پر ہی بیٹھا تھا۔ ساری رات عملہ عروہ کو سمندر میں تلاش کرتا رہا۔ سورج نکل آیا مگر عروہ کا نام ونشان بھی نہیں ملا۔ اور ملتا بھی کیسے، عروہ اب جا چکی تھی۔ اپنے میکال سے دور، اپنے عفان کے پاس۔

oooooooooooooooooooo

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842